بانی: حضرت اقدس مولانا شاہ سعید احمد رائے پوریؒ
قدس اللّٰہ سِرّہٗ السّعید مسند نشین رابع خانقاہِ عالیہ رحیمیہ رائے پور

شریعت، طریقت اور اجتماعیت پر مبنی دینی شعور کا نقیب

ماہنامہ رحیمیہ لاہور

مدیرِ اعلیٰ: حضرت اقدس مولانا مفتی عبدالخالق آزاد رائے پوری
جانشین حضرت اقدس رائے پوری رابع

مجلس ادارت
سرپرست: ڈاکٹر مفتی سعید الرحمٰن
صدر: مفتی عبدالمتین نعمانی
مدیر: محمد عباس شاد

○ درسِ قرآن
○ درسِ حدیث
○ خطبات و بیانات
○ نصیحت آموز حکایات
○ اخلاقیات
○ بچوں اور خواتین کا کالم
○ اہم خوش خبری
○ دینی مسائل

اداریہ

اسلام کا نظامِ عدل و مساوات سماجی تناظر میں
○
یومِ مئی اور پاکستانی سماج کے المیے
○
ولی اللّٰہی تحریک اور حضرت رائے پوری رابعؒ کی جدوجہد
○
ہمارے معاشرے کو اصلاح کی نہیں انقلاب کی ضرورت ہے

مئی 2014ء / رجب 1435ھ – جلد نمبر 6 شمارہ نمبر 5 – قیمت فی شمارہ: مبلغ 20 روپے – سالانہ ممبرشپ: مبلغ 200 روپے – تین سالہ ممبرشپ: مبلغ 500 روپے

ارشادِ گرامی حضرت اقدس مولانا شاہ عبدالقادر رائے پوری قدس سرہ
مسند نشینِ ثانی
خانقاہِ عالیہ رحیمیہ رائے پور

فرمایا: ''اولیاء اللہ اور اہل اللہ کی صحبت اختیار کرو اور جب تک پختگی نہ پیدا ہو جائے، اس وقت تک تو اس کے بغیر کوئی چارۂ کار نہیں، مگر اس کے بعد بھی، بلکہ میں تو کہوں گا تمام عمر پھر ایسا (ہی) کرو، تا کہ ایمان سلامت لے جانے کی صورت بن سکے۔ کیوں کہ اللہ تعالیٰ نے تمام انبیا علیہم السلام کے راستے کے بغیر اَور (دوسرا) کوئی راستہ انسان کی فلاح کے لیے نہیں بھیجا۔ اور انبیاؑ کے تربیت یافتہ ہی ان کے جانشین ہیں اور اولیاء اللہ بھی اسی قبیل سے ہیں۔ جب کانگرس کی پہلی وزارتیں (1937ء میں) قائم ہوئی تھیں تو گاندھی جی نے کہا تھا کہ ''وزارتوں کو ابوبکرؓ و عمرؓ کی طرح چلانے کی کوشش کرو، کیوں کہ تاریخی دور میں اور کوئی اس سے اعلیٰ مثال ہم کو نہیں ملتی''، تو کفار کے نزدیک بھی معیاری طرز کی واقعی مثال اَنبیاؑ کے سوا نہیں ہے۔''

(مجلس 9 محرم الحرام 1366ھ/ 4 دسمبر 1946ء، بروز بدھ۔ لاہور) (ارشادات حضرت شاہ عبدالقادر رائے پوریؒ، ص:128۔ طبع: مکتبہ رشیدیہ، لاہور)

رحیمیہ کا انگلش ایڈیشن ہماری ویب سائٹ پر پڑھا جاسکتا ہے۔

ادارہ رحیمیہ علومِ قرآنیہ (ٹرسٹ)
رحیمیہ ہاؤس، 33/A، کوئنز روڈ (شارع فاطمہ جناح) لاہور
092-42-36307714,36369089-www.rahimia.org
Email: info@rahimia.org

کراچی کیمپس
رحیمیہ ہاؤس 9/A بینٹر پوائنٹ سوسائٹی، بلاک نمبر 21 راشد منہاس روڈ، فیڈرل بی ایریا، کراچی
0092-21-36321616,36320707

راولپنڈی کیمپس
رحیمیہ ہاؤس، N.A-7، سیدپور روڈ سیٹلائٹ ٹاؤن، راولپنڈی
0092-51-4581357-58

ملتان کیمپس
رحیمیہ ہاؤس 30/A، سٹریٹ نمبر 2، خان کالونی چونگی نمبر 7، ایل ایم کیو روڈ، ملتان
0092-61-6212021

سکھر کیمپس
فلیٹ نمبر 111، 1st فلور، رائل اپارٹمنٹ ریس کورس روڈ، سکھر
0092-71-5615185

www.rahimia.org

درسِ قرآن

تشریح: حضرت مولانا حفظ الرحمٰن سیوہاروی رحمۃ اللہ علیہ

شیطان کا غرور و تکبر

وَاِذْ قُلْنَا لِلْمَلٰٓئِكَةِ اسْجُدُوْا لِاٰدَمَ فَسَجَدُوْٓا اِلَّآ اِبْلِيْسَ ؕ كَانَ مِنَ الْجِنِّ فَفَسَقَ عَنْ اَمْرِ رَبِّهٖ ؕ اَفَتَتَّخِذُوْنَهٗ وَذُرِّيَّتَهٗٓ اَوْلِيَآءَ مِنْ دُوْنِيْ وَهُمْ لَكُمْ عَدُوٌّ ؕ بِئْسَ لِلظّٰلِمِيْنَ بَدَلًا ۝ (50:18)

(اور جب ایسا ہوا تھا کہ ہم نے فرشتوں کو حکم دیا تھا ''آدمؑ کے آگے جھک جاؤ'' اور سب جھک گئے تھے، مگر ابلیس نہیں جھکا تھا۔ وہ جن میں سے تھا۔ پس اپنے پروردگار کے حکم سے باہر ہو گیا۔ پھر کیا تم مجھے چھوڑ کر (کہ تمہارا پروردگار ہوں) اُسے اور اُس کی نسل کو کارساز بناتے ہو، حال آں کہ وہ تمہارے دشمن ہیں؟ (دیکھو) ظلم کرنے والوں کے لیے کیا ہی بُری تبدیلی ہوئی۔)

اللہ تعالیٰ نے حضرت آدمؑ کو مٹی سے پیدا کیا اور ان کا خمیر مٹی سے گوندھا گیا اور ایسی مٹی سے گوندھا گیا، جو ہر نئی تبدیلی قبول کر لینے والی تھی۔ اللہ تعالیٰ نے اس جسدِ خاکی میں روح پھونکی اور وہ یک بیک گوشت پوست، ہڈی، پٹھے کا زندہ انسان بن گیا اور ارادہ، شعور، حس، عقل اور وجدانی جذبات و کیفیات کا حامل نظر آنے لگا۔

اللہ تعالیٰ اگرچہ عالم الغیب اور دلوں کے بھیدوں سے واقف ہے اور ماضی، حال اور استقبال سب اس کے لیے یکساں ہیں، مگر اس نے امتحان و آزمائش کے لیے ابلیس (شیطان) سے سوال کیا: ''کس بات نے تجھے جُھکنے سے روکا، جب کہ میں نے حکم دیا تھا؟'' ابلیس نے جواب دیا: ''اس بات نے کہ میں آدم سے بہتر ہوں۔ تو نے مجھے آگ سے پیدا کیا، اُسے مٹی سے۔''

شیطان کا مقصد یہ تھا کہ میں آدم علیہ السلام سے افضل ہوں۔ اس لیے کہ تو نے مجھ کو آگ سے بنایا ہے اور آگ بلندی و رفعت چاہتی ہے اور آدم مخلوقِ خاکی، بھلا خاک کو آگ سے کیا نسبت؟ اے خدا! پھر یہ تیرا حکم کہ ناری، خاکی کو سجدہ کرے، کیا یہ انصاف پر مبنی ہے؟ میں ہر حالت میں آدم سے بہتر ہوں۔ لہٰذا وہ مجھے سجدہ کرے، نہ کہ میں اس کے سامنے سربسجود ہوں، مگر بدبخت شیطان اپنے غرور و تکبر میں یہ بھول گیا کہ جب تو اور آدم علیہ السلام دونوں خدا کی مخلوق ہیں تو مخلوق کی حقیقت خالق سے بہتر خود وہ مخلوق بھی نہیں جان سکتی۔ وہ اپنی تمکنت اور گھمنڈ میں یہ سمجھنے سے قاصر رہا کہ مرتبے کی بلندی و پستی اُس مادے کی بنا پر نہیں ہے، جس سے کسی مخلوق کا خمیر تیار کیا گیا ہے، بلکہ اُس کی اُن صفات پر ہے، جو خالق کائنات نے اُس کے اندر ودیعت کی ہیں۔ بہرحال شیطان کا جواب چوں کہ غرور و تکبر کی جہالت پر مبنی تھا، اس لیے اللہ تعالیٰ نے اُس پر واضح کر دیا کہ جہالت سے پیدا شدہ کبر و نخوت نے تجھ کو اس قدر اندھا کر دیا ہے کہ تو اپنے خالق کے حقوق اور احترام خالقیت سے بھی منکر ہو گیا۔ اس لیے مجھ کو ظالم قرار دیا اور یہ نہ سمجھا کہ تیری جہالت نے تجھ کو حقیقت کے سمجھنے سے درماندہ و عاجز بنا دیا ہے۔ پس تو اَب اس سرکشی کی وجہ سے ابدی ہلاکت کا مستحق ہے اور یہی تیرے عمل کی قدرتی پاداش ہے۔

درسِ حدیث

تشریح: حضرت مولانا سید حسین احمد مدنی رحمۃ اللہ علیہ

بیعت کی ضرورت و اہمیت

بایعونی علیٰ ان لا تشرکوا باللّٰہ شیئًا و لا تسرقوا، و لا تزنوا، و لا تقتلوا اولادکم، و لا تأتوا ببھتان تفترونہ بین ایدیکم و ارجلکم (الیٰ آخر الحدیث) (صحیح بخاری. باب علامۃ الإیمان حبّ الانصار.)

(آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''مجھ سے بیعت کرو اس پر کہ اللہ کا کسی کو شریک نہیں ٹھہراؤ گے، چوری اور زنا کا ارتکاب نہیں کرو گے اور اپنی اولاد کو قتل نہیں کرو گے اور بہتان نہ باندھو گے اور کسی بھی اچھے کام میں نافرمانی اور حکم عدولی نہ کرو گے۔)

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مختلف لوگوں سے مختلف چیزوں پر بیعت لی ہے۔ حضرت جریر بن عبداللہؓ کہتے ہیں کہ مجھ سے رسول اللہ ﷺ نے اس بات پر بیعت لی کہ ہم ہر مسلمان کی خیرخواہی کریں گے اور حفاظت کریں گے اور جن چیزوں سے منع کیا ہے، اس سے بچیں گے۔ حضرت سلمہ بن اکوعؓ سے پوچھا گیا کہ حدیبیہ میں کس چیز پر بیعت کی تھی؟ تو کہا: موت پر۔ یعنی اس پر بیعت کی تھی کہ مر جائیں گے، لیکن بھاگیں گے نہیں۔ آپؐ نے کبھی خاص باتوں پر بیعت لی اور کبھی پوری شریعت پر۔

بیعت کوئی نئی چیز نہیں ہے۔ قرآن و حدیث میں بہت سے واقعات ذکر کیے گئے ہیں، جن سے بیعت کا ثبوت ملتا ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے سے اب تک بیعت کا سلسلہ چلا آ رہا ہے۔ بیعت اس بات پر ہوتی ہے کہ شریعت کے حکموں کی تعمیل کریں گے۔ اللہ کا ذکر کریں گے اور شریعت پر چلیں گے۔ اسی کو بیعتِ طریقت کہا جاتا ہے۔ بیعت لینے کا ہر شخص کو حق حاصل نہیں۔ بیعت کا حق صرف اسی کو ہے، جو فسق و فجور سے بچتا رہا ہو اور کسی مُربّی و شیخ کے پاس رہ کر کتاب و سنت کی روشنی میں تزکیۂ قلب حاصل کر چکا ہو اور اپنے مُرشِد سے نسبتِ باطنی رکھتا ہو۔

بعض لوگوں کو یہ شبہ ہوتا ہے کہ اب بیعت کی ضرورت باقی نہیں رہی۔ یہ شبہ غلط اور باطل ہے۔ میرے بھائیو! نہ بیعت بدعت ہے نہ طریقت بدعت ہے اور نہ طریقت، شریعت سے جدا ہے۔ طریقت، شریعت کی خادم اور اس کی تکمیل کرنے والی ہے۔ بڑے بڑے اولیائے کرام نے وہ طریقے جاری کیے، جن سے اللہ کی رضا اور اس کی خوشنودی حاصل ہوتی ہے۔ ان طریقوں میں کوئی ذرّہ برابر شریعت کے خلاف نہیں ہے۔ ان طریقوں سے مقصود، قربت اور آخرت کا حاصل کرنا ہے۔ مگر جیسے ہر جماعت میں کھرے کھوٹے ہوتے ہیں، اس طرح سے اس جماعت میں بھی کچھ ایسے لوگ داخل ہو گئے ہیں، جس کی وجہ سے خرابی پیدا ہو رہی ہے۔ دین کو جال بنا کر دنیا حاصل کرنے والے ہر جماعت میں اور ہر زمانے میں ہوتے آئے ہیں۔ ایک دو کی بُرائی کی وجہ سے پورے دین میں بُرائی نہیں ہوئی ہے۔ ہاں بیعت ہونے کے وقت مرشد کا انتخاب سوچ سمجھ کر کھرا کھوٹا دیکھ کر کرنا چاہیے۔

www.rahimia.org

اداریہ

اسلام کا نظامِ عدل و مساوات سماجی تناظر میں

ہم اپنی سماجی زندگی میں جن چیزوں کا تذکرہ بہت زیادہ سنتے ہیں ان میں ''عدل اور ظلم'' کا تذکرہ بھی ہے، لیکن ان کے حقیقی مفہوم اور معاشرتی زندگی میں ان کی اہمیت سے عموماً ہم نا آشنا ہی رہتے ہیں۔ اسلامی تعلیمات میں عدل و انصاف اور قسط کا مفہوم یہ ہے کہ کسی چیز کو اس کے صحیح مقام پر رکھنا اور حق دار کو اس کا پورا پورا حق ادا کر دینا۔ انفرادی و اجتماعی معاملات میں افراط و تفریط سے بچتے ہوئے معاملات میں اعتدال اختیار کرنا۔ معاشرتی اور سماجی عدل کا مفہوم یہ ہے کہ رنگ، نسل، علاقائیت، لسانیت، ذات پات اور طبقاتیت سے بچتے ہوئے حقوق کا ایک ایسا یکساں مساوات پر مبنی نظام قائم کیا جائے، جس میں کسی کو کسی پر برتری حاصل نہ ہو اور سب کے حقوق محفوظ ہوں۔ ایسا معاشرہ اجتماعی ترقی کی راہ پر گامزن ہو جاتا ہے۔

عدل کی ضد ظلم ہے۔ ظلم کے لغوی معنی اندھیرا، تاریکی اور ظلمت کے ہیں۔ یعنی کسی کا حق مارنا، کسی کو بغیر قصور کے سزا دینا یا کسی چیز کو اُس کے غیر محل میں رکھنا' یہ ظلم ہے۔ ظلم کا سماجی مفہوم یہ ہے کہ کسی معاشرے میں امتیازات اور گروہی شناختوں پر مبنی نظام قائم ہو جائے اور عام لوگ کسی مخصوص طبقے کے رحم و کرم پر زندگی بسر کرنے لگیں اور معاشرے میں عام انسانوں کے بنیادی حقوق محفوظ نہ ہوں۔ ایسے معاشرے کو ہم ظلم کا معاشرہ کہتے ہیں۔ ایسا معاشرہ کبھی ترقی نہیں کرتا، جس میں ظلم موجود ہو۔ قرآن حکیم نے ایسے بہت سے معاشروں کا تذکرہ کیا ہے، جن پر ظلم و زیادتی کی وجہ سے عذاب الٰہی نازل ہوا اور وہ صفحۂ ہستی سے مٹا دیے گئے۔

اسلام نے عدل و مساوات کے حوالے سے جو تعلیمات دی ہیں، اُس نے انسانی معاشروں پر بہت گہرے اثرات چھوڑے ہیں۔ اسلام پوری انسانیت کو ایک برادری کی حیثیت دیتا ہے۔ اس لیے وہ معاشرے میں ایک ایسے نظام کا خواہش مند ہے، جس میں انسانیت کے تمام طبقات کو انصاف ملے اور سب کا سماجی رُتبہ برابر ہو۔ وہ معاشرے میں کسی قسم کی اونچ نیچ کو پسند نہیں کرتا۔ اس لیے قرآن حکیم نے ''انصاف اور نیکی کا حکم دیا ہے۔'' (النحل) اور مسلمانوں کو یہ تعلیم دی گئی کہ ''کسی قوم یا فرد کی عداوت تمھیں بے انصافی پر نہ اُبھارے۔ تم عدل کرتے رہو، کیوں کہ وہ تقویٰ کے زیادہ قریب ہے۔'' (المائدہ) حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان ہے ''جو قوم عدل و انصاف کو ترک کر دیتی ہے' تباہی و بربادی اس کا مقدر بن جاتا ہے۔'' خطبہ حجۃ الوداع کے موقع پر آپؐ نے فرمایا: ''اے لوگو! تم سب کا پروردگار ایک ہے۔ تم ایک باپ کی اولاد ہو۔ کسی عربی کو عجمی پر، کسی عجمی کو عربی پر، کسی کالے کو گورے پر، کسی گورے کو کالے پر کوئی فضیلت نہیں، سوائے تقویٰ اور پرہیزگاری کے۔''

سماجی زندگی کے سب سے اہم تین دائرے فکر و نظریہ، معیشت اور سیاست ہیں۔ اسلام فرد اور قوم سے ان تینوں دائروں میں انفرادی اور اجتماعی معاملات میں عدل اور اعتدال قائم کرنے کا مطالبہ کرتا ہے۔ فکر و نظر میں عدل کا تقاضا ہے کہ انسانی معاشرے کو فرقہ واریت، گروہیت اور طبقاتیت سے بچا کر اتحاد، وحدت اور اجتماعیت کے اصول پر قائم رکھا جائے۔ کیوں کہ اللہ تعالیٰ نے ''انسانوں کو وحدت انسانیت کی بنیاد پر پیدا کیا ہے۔'' (البقرہ) اسی طرح سے معاشی زندگی میں مساوات کو بنیادی اصول قرار دیا گیا کہ ''دولت تمہارے امیروں کے درمیان ہی نہ رہ جائے۔'' (الحشر) حکومت و سیاست میں آمریت، ظلم و استبداد ہے اور حکم دیا گیا کہ ''تمہارے اجتماعی معاملات باہمی مشاورت سے طے پانے چاہئیں۔'' (شوریٰ) اسلام عدل و مساوات کے اقدار پر مبنی اجتماعی نظام قائم کرنے کی دعوت دیتا ہے۔ آج ہمارے زوال کی اہم وجہ معاشرے میں ظلم و تشدد کا راج اور عدل و انصاف کا ناپید ہونا ہے۔ ہماری اجتماعی ذمے داری بنتی ہے کہ ہم اسلام کے اجتماعی غلبے کے لیے جدوجہد کو زندگی کا سب سے بڑا مقصد قرار دیں۔ (مدیر)

یومِ مئی اور پاکستانی سماج کے المیے

محمد عباس شاد

ہر سال یکم مئی کو پوری دنیا میں مزدوروں کا دن منایا جاتا ہے، جس کا آغاز شکاگو کے مظلوم مزدوروں کے ساتھ اظہارِ یکجہتی کے طور پر ہوا تھا۔ اب ہر سال یہ دن یوم مزدور کے طور پر منایا تو جاتا ہے، لیکن محض ایک تقریب کے طور پر، جس میں نشست و برخاست کے علاوہ کوئی خاص پیش رفت نہیں ہوتی۔ مزدور اس دن بھی روح و جسم کا رشتہ برقرار رکھنے کے لیے مزدوری کی تلاش میں در در کی خاک چھانتا ہے اور اپنے بچوں کے چند لقموں کے لیے دن بھر پسینہ بہاتا ہے۔ وہ اس دن کی ان تقریبات سے بے خبر ہوتا ہے، جو مزدوروں کے حقوق کے نام پر منعقد کی جاتی ہیں۔ جس میں بڑی پُر جوش تقریریں ہوتی ہیں، لیکن اس میں نہ تو مزدوروں کے مسائل کا کوئی حقیقی حل پیش کیا جاتا ہے اور نہ ہی ان کے بارے میں کوئی مؤثر قانون سازی کے لیے کوئی عملی اقدام اٹھایا جاتا ہے۔

ویسے تو پاکستان اپنی آزادی کے بعد 1947ء سے ہی ''ادارہ برائے بین الاقوامی مزدور'' میں شامل ہے، جو کہ ''اقوام متحدہ'' کا ذیلی ادارہ ہے۔ جس کا کام بظاہر دنیا بھر میں عام لوگوں اور مزدوروں کو ان کے حقوق سے روشناس کرانا ہے۔ پاکستان اس ادارے کی اب تک 36 کانفرنسز میں شرکت بھی کر چکا ہے۔ اور اب تک نمائشی طور پر کئی ایک مزدور پالیسیوں کا اعلان بھی کر چکا ہے۔ ان پالیسیوں میں ''سوشل سیکیورٹی نیٹ ورک''، ''اولڈ ایج بینیفٹ سکیم'' اور ''ورکرز ویلفیئر فنڈ'' جیسی پالیسیوں کا ذکر ہے۔ لیکن اصل چیز ان پالیسیوں پر عمل درآمد اور ان کو عملی جامہ پہنانا ہے، جب کہ اس حوالے سے ہماری حکمران جماعتیں کچھ نہیں کرتیں۔

آج ہماری سوسائٹی نہ صرف مزدوروں کے ایشو پر بلکہ مجموعی طور پر جس صورت حال سے دوچار ہے، وہ اہل علم، دانش وروں، سیاست دانوں، حکمرانوں، سیاسی، مذہبی اور اصلاحی جماعتوں کے لیے ایک لمحہ فکریہ ہے۔ جہاں لوگ بھوک سے تنگ آ کر خودکشیاں کر رہے ہیں اور انصاف نہ ملنے پر خودسوزیاں ہو رہی ہیں۔ پلاننگ کے فقدان اور حکومتی نااہلیوں کے سبب تھرپارکر میں قحط سالی سے معصوم بچے دم توڑ رہے ہیں۔ بجلی، گیس کی لوڈشیڈنگ اور ہوش رُبا مہنگائی کے سبب انسانی زندگیاں بے بسی اور بے چارگی کا نمونہ بنی ہوئی ہیں۔ حکمران اور سیاسی جماعتیں سیاسی انتقام کی خواہش کی اسیر ہو کر میڈیا پر اپنے مفادات کی جنگ لڑتی نظر آ رہی ہیں۔ وہ عوام اور مزدوروں کے حقیقی مسائل پر بات کرنے سے زیادہ' جعلی ایشوز پر بات کرتی ہیں۔ بوگس اور بھونڈے عالمی ریکارڈ قائم کرنا ان کا پسندیدہ مشغلہ ہے۔ آئے دن نئی نئی سکیموں پر پانی کی طرح پیسا بہانا، قرضہ سکیموں کے ذریعے من پسند افراد کو نوازنا' حکمرانوں کا وطیرہ بن چکا ہے۔ ان حکمرانوں کے پاس نہ تو مزدوروں اور عوام کے مسائل حل کرنے کا وقت اور اہلیت ہے اور نہ ہی یہ ان سے مخلص ہیں۔

اب یہ باشعور لوگوں کے لیے لمحہ فکریہ ہے کہ وہ ایسے موقعوں پر مزدوروں کے حق میں کاغذی اشتہارات چھاپنے کے عمل کو کافی سمجھتے ہیں یا معاشرے میں حقیقی تبدیلی کا کوئی ٹھوس لائحہ عمل اختیار کرتے ہیں۔

www.rahimia.org

افادات: حضرت اقدس مولانا مفتی شاہ عبدالخالق آزاد رائے پوری دامت برکاتہم العالیہ
جانشین حضرت رائے پوری رابع ومسند نشین خانقاہ عالیہ رحیمیہ رائے پور

ہر شخص اپنی زبان سے نکلے ہوئے الفاظ کا ذمہ دار ہے

01 رنومبر 2013ء کو ادارہ رحیمیہ علوم قرآنیہ لاہور میں نماز جمعہ کے شرکا سے خطاب کرتے ہوئے حضرت آزاد رائے پوری مدظلہٗ نے فرمایا:

دیکھنا یہ ہے کہ ہمارے اقوال یا ہماری زبان سے نکلے ہوئے جملے کس نوعیت کے ہیں؟ ہر آدمی اس پر غور وفکر کرے۔ بالخصوص اپنے اجتماعی نظام اور اجتماعیت کے تقاضوں کے تناظر میں' کہ ہم روزمرہ میں جو جملے استعمال کرتے ہیں، بات چیت، معاہدات، لین دین، تبادلہ خیالات، مکالمہ اور مباحثہ کرتے ہیں، یہ کن اصولوں پر ہیں۔ کیا انسانیت کے لیے نفرت، دہشت، قتل و غارت گری، خوف، ہراس، انسانیت دشمنی، بداخلاقی، کم تولنے، کم ناپنے، سوسائٹی کے حقوق کو توڑنے کے حوالے سے تو نہیں ہیں؟ کیا ہماری زبانوں سے نکلنے والے جملے سوسائٹی میں آگ اور شعلے تو نہیں برسا رہے؟ نفرتوں، اشتعال انگیزی اور سوسائٹی میں فرقہ واریت کو تو فروغ نہیں دے رہے ہیں؟ سوسائٹی میں انتشار کا باعث تو نہیں بن رہے؟

قرآن کہتا ہے: قُوْلُوْا لِلنَّاسِ حُسْنًا (83:2) ہماری گفتگو اگر سوسائٹی میں عدل و انصاف، امن وخوش حالی اور ترقی' ایسے سماجی معاہدات کی پاس داری جس سے سوسائٹی ترقی کرتی ہے۔ قانون کی بالادستی، بلکہ اس سے پہلے قانون کی تشکیل کا عمل انسانی اقدار کی اساس پر، تمام سماجی معاہدات، اجتماعی معاملات اور اس کے تعلقات، جو انسانیت کے لیے حسن اور ترقی کا باعث بن رہے ہیں تو یہ بات درست ہے۔ قرآن حکیم نے انسانی بنیادوں پر معیارات مقرر کر دیے ہیں۔ ایک لائن، ایک خطِ مستقیم کھینچ دیا ہے کہ فلاں فلاں بنیادی امور اور رویے ہیں، اگر آپ کی گفتگو سے ان کا اظہار ہو رہا ہے تو یہ دراصل انسانیت کی ترقی کا باعث ہیں۔ اور اگر آپ کی زبان سے یہ بداخلاقیاں، یہ غلط رویے، یہ فرسودہ تصورات و خیالات نکل رہے ہیں تو انسانی سوسائٹی میں یہ حسن نہیں، بلکہ ظلم اور انسانیت دشمنی ہے۔ اس طرح ایسے معیارات طے کیے گئے ہیں، جو زبان سے نکلنے والے الفاظ کے نتائج سامنے لاتے ہیں۔

آج بحیثیتِ مجموعی ہم نے اپنا جائزہ لینا ہے کہ کیا ہماری گفتگو، ہماری بات چیت، سوسائٹی میں نفرتوں کا باعث بن رہی ہے یا امن، باہمی تعاون، انسانی حقوق کی ادائیگی سے تعلق رکھتی ہے۔ سر سے پاؤں تک، سر براہ سے لے کر ایک چھوٹے معمولی اہل کار، سپاہی، ایک نائب قاصد تک اور اٹھارہ کروڑ لوگوں میں سے ہر مرد اور ہر عورت، تمام عوام بحیثیتِ مجموعی اٹھارہ بیس کروڑ انسان اپنے بارے میں جائزہ لیں کہ مجموعی طور پر ہماری زبانیں کیا کام کر رہی ہیں؟ ہم زبانوں سے جو معاہدات، بیانات اور گفتگو کر رہے ہیں، وہ کیا ہے؟ اگر ہم جائزہ لیں تو ہماری حالت یہ ہے کہ ہمارے لیڈر جو گفتگو کرتے ہیں وہ جھوٹ پر مبنی، جو فیصلے کرتے ہیں، وہ انسانیت دشمنی کی اساس پر، عدل کے نام پر جو فیصلے لکھے جاتے ہیں وہ ظلم کے ہیں۔ یہ جانتے بوجھتے ہوئے کہ یہ سرمایہ دارانہ ماحول ایک طاقت ور مافیاز کی حمایت کے لیے کام کرتا ہے تو اس کے حق میں ہم بولتے بھی ہیں، تقریر بھی کرتے ہیں، گفتگو بھی کرتے ہیں۔ ذرا صحافی اپنا جائزہ لیں کہ کیا اُن کی قلم سے لکھے جانے والے جملے، ان کی زبان سے ہونے والی تقریریں' سوسائٹی میں نفرتیں پھیلا رہی ہیں یا سوسائٹی میں باہمی امن اور عدل کی دعوت دے رہی ہیں۔ تمام ججز اپنے فیصلوں کے بارے میں دیکھیں کہ کیا اُن کے ریمارکس سوسائٹی میں تشدد کو فروغ دینے کا باعث بن رہے ہیں یا عدل وانصاف کی بالادستی کے نام پر، انفرادی خواہشات کے حوالے سے اپنے تأثرات کا اظہار کر رہی ہیں؟ مولوی صاحبان، مفتیانِ کرام ذرا اپنے گریبان میں جھانکیں۔ ہمارے لیڈر، سیاست دان اپنے بیانات کا جائزہ لیں کہ ان کے بیانات انسانی سوسائٹی میں امن اور بھائی چارے کو فروغ دینے کا باعث ہیں یا بڑے فخر سے وہ یہ کہتے ہیں کہ نفرتوں اور باہمی مزاحمت کی وجہ سے ہم اس عہدے پر پہنچے ہیں۔ تمام وکلا کی مجموعی زندگی کیا کردار ادا کر رہی ہے؟ وہ انسانیت دوست قانون کی زبان بولتے ہیں یا سرمایہ داری اور جاگیرداری کے فروغ کے لیے کردار ادا کر رہے ہیں اور اس کے دلائل دے رہے ہیں؟ قُوْلُوْا یہ امر ہے اللہ تعالیٰ کی طرف سے۔ یہ مسلمان کے فرائض میں داخل ہے۔ جیسے نماز پڑھنا فرض ہے، ایسے ہی قُوْلُوْا لِلنَّاسِ حُسْنًا تمھیں انسانیت کے لیے اچھی اور عمدہ بات کہنی ہے۔ یہ نہیں کہ تم اس پوری گفتگو اور بات چیت میں جو چاہے مرضی سے بولتے رہو، ایسا نہیں۔ تمھیں جو بات کہنی ہے، وہ انسانیت کے لیے حسن کا باعث ہو، فائدے کا باعث ہو، نقصان کا باعث نہ ہو۔ پوری سوسائٹی میں اجتماعی طور پر ہمیں اپنے اقوال، اپنی زبان سے نکلے ہوئے جملوں کے اجتماعی تأثرات کا جائزہ لینا چاہیے کہ کیا سوسائٹی میں یہ حسن کو فروغ دے رہے ہیں یا بدامنی، قتل و غارت گری اور نفرتوں کو فروغ دے رہے ہیں۔

(بقیہ: قومی زندگی پر اجتماعی فیصلوں کے اثرات) اس کا بنیادی سبب قرآن کی تعلیمات کی روشنی میں اجتماع کے فرائض اور ذمہ داریوں کو نہ سمجھنا ہے۔ اجتماعی فیصلے سوسائٹی پر اثر انداز ہوتے ہیں۔ کسی قوم کی سیاسی قسمت کا ایک غلط سیاسی فیصلہ اِسے مصائب میں گھیر دیتا ہے، پورے سسٹم کے ظلم وستم کی اساس پر ایک غلط معاشی فیصلہ' نیک سے نیک آدمی کی معیشت کو تنگ کر دیتا ہے۔ یہ اعمال کون سے ہیں؟ سمجھنے کی بات ہے کہ یہ اجتماعی اعمال ہیں۔ اور اجتماعی اعمال میں سیاسی عمل اور معاشی عمل بنیادی حیثیت رکھتا ہے۔ قرآن کی تعلیمات کا سب سے اہم ترین پہلو یہ ہے کہ وہ اپنے ماننے والوں کے دل و دماغ میں سیاسی اور معاشی اعمال کی اہمیت واضح کرتا ہے۔ بلکہ انبیا علیہم السلام کی بعثت کا بنیادی مقصد اللہ کی وحدانیت کا تعارف اور انسانوں کے لیے درست سیاست ہے۔ آج ہم یہ شعور حاصل کرنا نہیں چاہتے اور مصیبتوں کا رونا روتے ہیں۔ اپنی ہی بداعمالیوں اور اجتماعی غلط فیصلوں کے نتیجے میں غلط سیاسی حکمران اپنے اوپر مسلط کرتے ہیں۔ ان کے کیے ہوئے غلط فیصلے سوسائٹی کو یرغمال بناتے ہیں۔ مصیبتوں میں مبتلا کرتے ہیں۔

عاشورۂ محرم؛ اہمیت اور مقاصد

08/نومبر 2013ء کو ادارہ رحیمیہ علوم قرآنیہ لاہور میں نماز جمعہ کے شرکا سے خطاب کرتے ہوئے قرآن حکیم کی آیت اِنَّ عِدَّةَ الشُّهُوْرِ عِنْدَ اللّٰهِ اثْنَا عَشَرَ شَهْرًا فِيْ كِتٰبِ اللّٰهِ يَوْمَ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ (36:9) کے تناظر میں حضرت اقدس آزاد رائے پوری مدظلہٗ نے فرمایا:

آپؐ پر حجۃ الوداع کے موقع پر جو آیات مبارکہ نازل ہوئیں، ان میں اللہ نے واضح حکم دے کر بتلا دیا کہ دنوں کے صحیح سلسلے کا آغاز محرم الحرام سے ہوتا ہے۔ محرم کا نام بھی اسی لیے محرم رکھا گیا کہ اس میں انسانوں کو نقصان پہنچانا، انسانوں کو قتل کرنا، ان کے حقوق توڑنا، ان کو عذاب میں مبتلا کرنا حرام قرار دے دیا گیا ہے۔ نہ صرف محرم، بلکہ اس کے ساتھ حرام کا لفظ بھی لگایا گیا، محرم الحرام۔ تاکہ اس کی حرمت اور عظمت واضح ہو۔

انبیا علیہم السلام کا تاریخی تسلسل اس حقیقت کی نشان دہی کرتا ہے کہ یہ مہینہ محترم ہے۔ اسی لیے اس کا نام محرم الحرام رکھا گیا۔ حرمتِ انسانی اس کا بنیادی عنوان ہے۔

آپؐ جب ہجرت کر کے مدینہ منورہ تشریف لے گئے تو مکہ مکرمہ کے قدیم حنفی لوگ بھی یوم عاشورہ یعنی دس محرم کا روزہ رکھتے تھے۔ آپؐ بھی یہ روزہ رکھتے تھے۔ مدینہ تشریف لائے تو دیکھا کہ یہودی بھی یہ روزہ رکھتے ہیں۔ یہودیوں سے حضورؐ نے پوچھا کہ تم کیوں یہ روزہ رکھتے ہو؟ انھوں نے کہا کہ آج کے دن حضرت موسیٰ علیہ السلام اور بنی اسرائیل کو فرعون سے نجات ملی تھی۔ فرعون دریائے نیل میں غرق ہوا۔ اس کی آزادی اور خوشی کی یاد میں ہم روزہ رکھتے ہیں۔ اللہ کا شکر ادا کرتے ہیں۔ تو حضورؐ نے فرمایا کہ: ہم موسیٰ علیہ السلام کے زیادہ حق دار ہیں۔ تم تو موسوی تعلیمات پر عمل پیرا نہیں ہو، فرعون سے نجات کی آزادی کا دن تو ہمیں منانا ہے۔ اسی لیے آپؐ نے مدینہ منورہ میں پہلے سال عاشورہ کا روزہ رکھا۔ اگلے سال رمضان المبارک کے جب روزے فرض قرار پائے تو حضورؐ نے فرمایا کہ: ہماری امت پر جو فریضہ ہے، وہ رمضان کا ہے۔ عاشورہ کا روزہ نفلی ہے، جس کا جی چاہے رکھے، جس کا جی چاہے نہ رکھے۔ لیکن آپؐ نے ذاتی طور پر اپنی عادت بنائے رکھی کہ آپ عاشورہ کا روزہ ضرور رکھتے۔ صحابہؓ نے عرض کیا کہ آپؐ نے تو فرمایا تھا کہ یہودیوں کی مشابہت نہیں کرنی چاہیے تو اس روزے سے تو یہودیوں سے مشابہت ہوتی ہے۔ حضورؐ نے فرمایا: ٹھیک ہے، مشابہت ختم کرنے کا طریقہ یہ ہے کہ ایک دن پہلے یا ایک دن بعد بھی ایک روزہ رکھ لیا جائے۔ وہ ایک روزہ رکھتے ہیں، آپ دو روزے رکھ لیں: اس طرح 9 محرم اور 10 محرم کو آزادی اور حریت کا دن قرار دیا گیا ہے۔ ایک تو نفلی طور پر لوگوں سے کہا گیا کہ وہ ان دنوں میں روزہ رکھیں۔ حکم نہیں ہے، جس کا جی چاہے تو ٹھیک ہے، لیکن اسی کے ساتھ ساتھ یہ بات بھی واضح کی گئی کہ چوں کہ یہ حضرت ابراہیمؑ کی نمرود کی آگ سے نجات کا دن بھی ہے، بنی اسرائیل کے فرعون سے نجات کا دن بھی ہے، آدم علیہ السلام کے دنیا پر نزول اور ہبوط کا دن بھی ہے، اور ابتدائے انسانیت کا دن بھی، اس لیے اس دن میں اپنے گھر میں، اپنے گرد و نواح میں کھانے میں فراخی، انفاق، غریبوں اور مسکینوں اور یتیموں پر مال خرچ کرنے کی عادت بھی پیدا ہونی چاہیے۔ حرمتِ انسانیت کا تقاضا یہ ہے کہ جو سوسائٹی کے کمزور اور پسے ہوئے لوگ ہیں، ان پر مال خرچ کرنے کے لیے سخاوت، انفاق کی حالت تمہارے اندر پیدا ہونی چاہیے۔ خود روزہ رکھنے سے اپنے اندر ضبطِ نفس پیدا ہوتا ہے اور دوسروں پر مال خرچ کرنے کی عادت اور ان کو کھلانے کا جذبہ پیدا ہوتا ہے۔ حرمتِ انسانیت یا احترام انسانیت اسی بات کا درس دیتا ہے کہ انسان خود بھوکا رہ کر دوسرے کی ضرورت پوری کرے۔

قومی زندگی میں اجتماعیت کی ضرورت و اہمیت

15/نومبر 2013ء کو ادارہ رحیمیہ علوم قرآنیہ لاہور میں نماز جمعہ کے شرکا سے خطاب کرتے ہوئے يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اتَّقُوا اللّٰهَ وَكُوْنُوْا مَعَ الصّٰدِقِيْنَ (119:9) کے تناظر میں فرمایا:

تمام کتابوں کا بنیادی موضوع انسانی سماج ہی رہا ہے۔ انسانی سماج کے مسائل کے حل کرنے کے بنیادی اصول ان کتابوں میں دیے گئے ہیں اور انبیا علیہم السلام کی سیاست کا محور ان اصولوں کی اساس پر انسانی زندگی کی تہذیب و ترتیب رہی ہے۔ وسائل کو انسانی احتیاجات کے لیے استعمال کرنے، اس کا منظم نظام قائم کرنے، وسائل کی منصفانہ تقسیم کرنے کے لیے سیاست کی جاتی ہے۔ سیاست کا بنیادی ہدف انسانی کمزوریوں کو دور کر کے انھیں ترقی اور کامیابی کے مراحل طے کرانا ہے۔

آپؐ نے کل انسانیت کی کامیابی کا ایک بین الاقوامی نظام قائم کیا، ایک جماعت تشکیل دی، اجتماعیت قائم کی۔ اپنے بعد ان مقاصد و اہداف کے حصول کے لیے ایک منظم جماعت چھوڑی۔ سیاست ایک اجتماعی عمل ہے اور یہ اجتماعی عمل بغیر جماعت کے آگے نہیں بڑھتا۔ سیاست کا ناگزیر تقاضا یہ ہے کہ ایک جماعت وجود میں لائی جائے۔ اصل کردار جماعت کا ہوتا ہے۔ آپؐ نے فرمایا: میرے بعد کوئی نبی نہیں ہوگا۔ میرے بعد خلفا ہوں گے اور وہ بڑی کثرت سے ہوں گے۔ قیامت تک خلفا کی یہ اجتماعیت برقرار رہے گی۔ خلافت ایک اجتماعی نظم و ضبط کا نام ہے، جس کے ذریعے سے انسانی مسائل کے حل کرنے کے لیے حکومتی رٹ کا استعمال کیا جاتا ہے۔ آپؐ کے بعد آپؐ کی تربیت یافتہ جماعت کی اجتماعیت ہی معتبر ہے۔ افراد کی انفرادیت نہیں۔

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد آپؐ کی اجتماعیت کا مرکز صحابہؓ کی اجتماعیت ہے۔ اور اس کے سربراہ حضرت ابوبکر صدیقؓ، حضرت عمر فاروقؓ، حضرت عثمانؓ، حضرت علیؓ ہیں۔ اور ان کے بعد حضرت حسنؓ اور اُن کے بعد حضرت امیر معاویہؓ ہیں اور اُس کے بعد خلافتِ بنواُمیہ، بنوعباس اور بنوعثمان ہیں۔ ہمارے ہاں المیہ ہے کہ ہم شخصیات اور افراد کو زیر بحث لاتے ہیں۔ جماعت اور اُس کے اجتماعی کردار کو پیش نظر نہیں رکھتے۔ واقعات کا تجزیہ انفرادی نقطہ نگاہ سے کرنا' دین اسلام کی تعلیمات کا حصہ نہیں ہے۔ کوئی بھی واقعہ انفرادی طور پر کوئی نتیجہ پیدا نہیں کر سکتا۔ واقعات ایک سوسائٹی کے مجموعی کردار سے سامنے آتے ہیں اور سوسائٹی کے مجموعی کردار کو زیر بحث لائے بغیر سچ اور حق دریافت نہیں کیا جا سکتا۔ زوال پذیر معاشرے اپنی تاریخ کا انفرادی مطالعہ کرنے کے عادی بن جاتے ہیں۔ جب کہ ہمیشہ قومیں تاریخ کے اجتماعی مطالعے سے ترقی کرتی ہیں کہ مجموعی طور پر اجتماعی نقطہ نگاہ سے واقعات و حقائق نے انسانیت کو کیسے متاثر کیا۔

زوال کے دور کی سب سے بڑی خرابی یہ ہے کہ ہم شخصیات اور واقعات کا تجزیہ محض شخصی محبت، محض انفرادی واقعے کے تناظر میں کرتے ہیں۔ اور اسی کے نتیجے میں غالب طاقتیں ہمارے سیاسی شعور کو مسخ کر کے اپنے سیاسی اور معاشی غلبے کے لیے راہ ہموار کرتی ہیں۔ یوم عاشورہ کا سب سے بڑا پیغام یہ ہے کہ ہم جماعت کی اجتماعیت کو سمجھیں۔ اُس کے اجتماعی فیصلوں کو سمجھیں اور خاص طور پر اس تناظر میں کہ جماعت نے دنیا میں امن قائم کرنے، سیاسی نظام بنانے، معاشی مسائل حل کرنے اور سماجی شیرازہ بندی کے لیے بحیثیتِ مجموعی جو کردار ادا کیا ہے، اُس کو سمجھیں۔

www.rahimia.org

آج ہم ناکام کیوں ہیں

22/نومبر 2013ء کو ادارہ رحیمیہ علوم قرآنیہ لاہور میں نماز جمعہ کے شرکا سے خطاب کرتے ہوئے یَوْمَ نَدْعُوْا كُلَّ اُنَاسٍۭ بِاِمَامِهِمْ ۚ (71:17) کے تناظر میں فرمایا:

معزز دوستو! انسانیت اپنے اجتماعی فکر و عمل سے کامیاب ہوتی ہے۔ یہ اجتماعی فکر و عمل کیسا ہونا چاہیے؟ قرآن حکیم اس کی نشان دہی کرتا ہے۔ اسی لیے یہ کتاب مقدس قیامت تک کے تمام انسانوں کے انسانی مسائل حل کرنے کے لیے واحد اور آخری کتاب ہے۔ یہ بات طے شدہ ہے کہ تمام انسانی معاشرے اجتماعی طور پر تبھی ترقی کرتے ہیں جب وہ کسی درست فکر اور نظریے، صحیح لائحۂ عمل، صحیح طریقۂ کار کے مطابق زندگی بسر کرنے کا اہتمام کرتے ہوں۔

ہمارا معاملہ تو آج یہ ہو چکا ہے کہ باوجود اس بات کے کہ ہم قرآن حکیم پر ایمان، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی رسالت کی تصدیق اور اللہ کی وحدانیت کے اقرار کے باوجود ہمارے سینوں، ہمارے ارادوں، ہمارے دلوں میں وہ عزم، وہ ارادہ، وہ ہمت، وہ جرأت ختم ہوگئی، جو ایک مسلمان کی امتیازی شناخت ہے۔ اسی طرح قرآن حکیم کی تعلیمات انسانی اعمال کا ایک ایسا رُخ اور جہت متعین کرتی ہیں کہ جس میں ایک مستحکم کردار، عمدہ سیرت، اجتماعی عمل پوری پختگی کے ساتھ جھلکتا ہے۔ ہم ایمان رکھتے ہیں قرآن پر، اقرار کرتے ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی رسالت کا، اللہ کی وحدانیت کا، لیکن ہمارا نہ کوئی ارادہ ہے، نہ کوئی عزم، نہ عمل میں کوئی یکسوئی یا یک جہتی ہے، آخر کیا سبب ہے؟؟ قرآن حکیم کی تعلیمات کی روشنی میں اپنا جائزہ لینے کی ضرورت ہے۔ ہم بالخصوص پاکستان میں رہنے والے مسلمان مجموعی طور پر کسی بھی نظام کو قائم کرنے اور عملی طور پر اپنے معاشرے کو کامیاب بنانے میں قطعی ناکام ہیں۔ ہماری فکری اور عملی نااہلی ہمارے گرد و پیش میں موجود ہمارے نظام سے ہوتی ہے کہ ہم کسی بھی مسئلے کو سنجیدگی کے ساتھ لے کر حل کرنے کی اہلیت سے محروم ہیں۔ مجموعی طور پر ہمارا رویہ بے حسی، غیر منطقی، نتائج کے حصول سے لاپرواہی اور مسائل کے حل کرنے کے حوالے سے بے توجہی سے عبارت ہے۔ ہم اپنے پچاس ساٹھ سال کی پوری تاریخ کا تجزیہ کریں تو ہم نے اجتماعی فکر و عمل کے لیے کوئی سنجیدہ کوشش نہیں کی۔ غلامی کے زمانے میں جو بنا بنایا نظام ہمیں مل گیا، ہم نے اسی فرسودہ نظام کو اپنی تمام تر پیچیدگیوں، ذلتوں اور رسوائیوں کے ساتھ اپنی سوسائٹی پر مسلط کر دیا۔ کسی بھی سوسائٹی کی ترقی کا راز اُمن و امان کے قیام سے ہوتا ہے۔ اس کے لیے ایک مستحکم قانون اور ضابطے بنائے جاتے ہیں۔ اور پھر ان قوانین اور ضابطوں پر ایک بہتر سسٹم، جو ایک آرڈر پر کام کرے، تشکیل دیا جاتا ہے۔ ذرا سنجیدگی سے ہم غور کریں کہ کیا ہمارے ملک کا قانون اور آئین ایسا ہی ہے؟ قطعی نہیں۔

1947ء سے لے کر اب تک مذہب کے نام پر جتنے فسادات ہوئے ہیں، سیاست کے عنوان سے جتنی لڑائیاں لڑی گئی ہیں، نسلی یا لسانی افتراق کی بنیاد پر صوبوں کے درمیان نفرتیں بھڑکائی گئی ہیں، کفر اور غداری کے فتوے بانٹے گئے ہیں، اس کا مرکز اور منبع اس ملک کا وہ ظالمانہ اور فرسودہ سسٹم ہے، جس نے اس پوری سوسائٹی کو یرغمال بنایا ہوا ہے۔ دین کا لفظی ترجمہ نظام ہے۔ دین اسلام واحد دین ہے جو اپنا نظام اور سسٹم بنانا چاہتا ہے۔ دین اسلام ایک مکمل فکر و عمل کے عملی اظہار کا نام ہے اور وہ عملی اظہار بغیر سسٹم کے نہیں ہوتا۔ آج دین کی اس بنیادی روح کو سمجھنے کی ضرورت ہے کہ یہ دین اسلام ہمیں اپنے سماج کی تشکیل کے لیے درست فکر، صحیح قانون، انسانی سوسائٹی کی ترقی کے قوانین اور ضابطے اور ان پر عمل درآمد کا عدم تشدد کے اصول پر ایک بہتر سسٹم اور طریقۂ کار کیا عطا کرتا ہے۔

قومی زندگی پر اجتماعی فیصلوں کے اثرات

29/نومبر 2013ء کو ادارہ رحیمیہ علوم قرآنیہ لاہور میں نماز جمعہ کے شرکا سے خطاب کرتے ہوئے حضرت آزاد رائے پوری نے قرآن حکیم کی آیت وَمَآ اَصَابَكُمْ مِّنْ مُّصِيْبَةٍ فَبِمَا كَسَبَتْ اَيْدِيْكُمْ وَيَعْفُوْا عَنْ كَثِيْرٍ ۝ (30:42) کے تناظر میں فرمایا:

قرآن نے ایک قانون بیان کیا کہ تمھیں جو مصیبت بھی پہنچتی ہے یا کوئی تکلیف آتی ہے، وہ تمہارے ہی اپنے کیے ہوئے اعمال کے نتائج ہیں۔ خواہ تمہاری زبان سے نکلنے والے جملے ہوں یا تمہارے جسم سے صادر ہونے والے افعال و اقوال ہوں۔ یہاں قرآن حکیم نے فرد کو بحیثیتِ فرد ہی مخاطب نہیں کیا، بلکہ انسانی جماعت، انسانوں کے اجتماع اور معاشرے کو بھی مخاطب کیا ہے کہ تم تمام انسان اپنی مصیبتوں کے خود ذمہ دار ہو۔ تمہارے ہی اعمال ہیں۔ اور جب انسانی اجتماع قرآن کا مخاطب بنتا ہے تو دراصل انسانی سوسائٹی کو خود اپنے اجتماعی اعمال کا جائزہ لینا ہوتا ہے۔ فرد کی بات نہیں ہے۔ عام طور پر ہمارے مذہبی لوگ جب مسائل کی بات کرتے ہیں تو انفرادی مسائل یا انفرادی اعمال پر بات کی جاتی ہے۔ جب قرآن نے کہا وَمَآ اَصَابَكُمْ مِّنْ مُّصِيْبَةٍ فَبِمَا كَسَبَتْ اَيْدِيْكُمْ تو دراصل اس کے مخاطب، انسان کی اجتماعی زندگی کے دو اہم پہلو سیاسی اور معاشی ہیں کہ تم نے جو سیاسی اعمال کیے، سیاسی فیصلے کیے، سماجی معاہدات کے لیے جو حکومتی نظم و نسق قائم کیا، یہ سبب ہے تمہاری تمام مصیبتوں کا۔ اسی طرح تمہارے ہاتھوں نے جو کما کر معاشی فیصلے، اقتصادی فیصلے، معاشی حوالے سے تمہاری آرا اور تمہارے اعمال ہی تمہاری مصیبت کا سبب بنتے ہیں۔

پھر پورے قرآن حکیم میں حضرت آدم سے لے کر جو محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم تک انبیا علیہم السلام کے واقعات بیان کر کے بتلا دیا کہ انسانوں میں وہ جماعتیں جنھوں نے انسانی سماج کے سیاسی پہلوؤں کو ایک بہتر سیاسی نظام کی صورت میں نافذ کیا، وہاں خوشیاں، راحت، امن، ترقی اور کامیابی نصیب ہوئی۔ اور جہاں انبیاؑ کے مقابلے میں آمریت اور استحصال پر مبنی فرعونی، قارونی اور ہامانی نظام قائم ہوئے، تو انسانیت کے لیے مصائب اور مشکلات کے پہاڑ کھڑے ہو گئے۔ آج ہم پریشان ہو کر یہ پکار اٹھتے ہیں کہ ہم بڑے مسائل اور مشکلات میں مبتلا ہیں۔ پھر خود ساختہ رہنما ان مصیبتوں کے خود ساختہ تصورات پیش کرتے ہیں۔ کوئی فرد کو ملامت کرتا ہے کہ اس کے اس انفرادی عمل کا نتیجہ اس پر یہ مرتب ہوا۔ کوئی چند جزوی عقائد و اعمال کی بنیاد پر مصیبتوں کی ایک لمبی فہرست ہمارے ہاتھ میں تھما دیتا ہے۔ کچھ سادہ لوح لوگ جو مذہب کی چند رسومات کی اساس پر انسانی مسائل کا تجزیہ کرتے ہیں اور پھر ان انفرادی اعمال کی دعوت دیتے ہیں کہ یہ کر لیا جائے، یہ وظیفہ پڑھ لیا جائے، یہ فلاں کام کر لیا جائے، یہ فلاں رسم ادا کر لی جائے، یہ فلاں مذہبی عمل کر لیا جائے تو مصیبت سے چھٹکارا مل سکتا ہے ۔

اے بسا آرزو کہ خاک شدہ (کتنی ہی آرزوئیں ہیں جو کہ مٹی میں مل چکی ہیں)

بقیہ صفحہ 4 پر

www.rahimia.org

ولی اللّٰہی تحریک اور

حضرت اقدس مولانا شاہ سعید احمد رائے پوری قدس سرہٗ السعید کی جدوجہد

تأثّرات

حضرت مولانا محمد اختر

مہتمم جامعہ اسلامیہ ریڑھی تاج پورہ، سہارن پور، انڈیا

وصدر جمعیت علمائے ہند، ضلع سہارن پور

(ادارہ رحیمیہ علوم قرآنیہ لاہور میں مؤرخہ 31/ مارچ 2013ء بروز اتوار کو حضرت اقدس مولانا شاہ سعید احمد رائے پوری قدس سرہٗ کی حیات مبارکہ سے متعلق ایک سیمینار بعنوان ''ولی اللّٰہی تحریک اور حضرت اقدس مولانا شاہ سعید احمد رائے پوری قدس سرہٗ السعید کی جدوجہد'' بیاد حضرت اقدس رائے پوری منعقد کیا گیا تھا۔ اس موقع پر حضرت اقدسؒ کے مجازین اور خلفا نے خطابات فرمائے تھے۔ اس سیمینار میں انڈیا سے آئے ہوئے حضرات؛ حضرت مولانا محمد عارف صاحب، حضرت مولانا مفتی محمد عاصم سعید رائے پوری، مولوی عبدالسبحان صاحب نے بھی شرکت کی تھی۔ ان تمام حضرات کی نمائندگی کرتے ہوئے حضرت مولانا محمد اختر مہتمم جامعہ اسلامیہ ریڑھی تاج پورہ، ضلع سہارن پور (مجاز حضرت اقدس رائے پوریؒ رابع) نے بھی حضرتؒ اقدس کی سیرت اور حیات کے حوالے سے مختصر گفتگو فرمائی تھی۔ مولانا کا یہ خطاب قارئین کے افادے کے لیے ذیل میں پیش کیا جارہا ہے۔ مدیر)

خطبہ مسنونہ کے بعد انھوں نے یہ شعر پڑھا:

أعد ذكر نعمان لنا ان ذكرهٗ
و المسک ما كرّرتهٗ يتضوع

(نعمان (یعنی حضرتؒ اقدس) کا ذکر بار بار کرو، کہ بے شک اُن کے ذکر اور مُشک کو جتنا بھی دہرایا جائے تو اس سے خوشبو پھوٹتی ہے۔)

میرے عزیز ساتھیو!

ہم آج جس عظیم شخصیت کی یادگار میں یہ سیمینار منعقد کررہے ہیں، حقیقت یہ ہے کہ خداوندِ عالم نے انھیں شریعت، طریقت اور سیاست کی جامع شخصیت بنایا تھا۔ آج کے ماحول میں اور آج کے تقاضوں کو سلجھانے کی صلاحیت خداوندِ عالم نے انھیں عطا فرمائی تھی۔ اپنی ہر مجلس میں وہ اس بات کا تذکرہ فرماتے تھے کہ انسان مکمل انسان اور مکمل مسلمان جبھی بن سکتا ہے، جب وہ ان تینوں چیزوں کا ماہر ہو۔

یہ بات یوں بھی سمجھ میں آتی ہے کہ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی لائی ہوئی یہ شریعت اور دین پورے عالم کے لیے صلاح اور فلاح کا ضامن ہے۔ اس سے دنیا کا کوئی انسان انکار نہیں کرتا اور انکار کی کوئی گنجائش بھی موجود نہیں۔ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جہاں لوگوں کو ایمانیات سکھلائیں، شریعت کی جزئیات سے آشنا کیا، طریقت کا راستہ سکھایا، وہاں نظام عالم کو درست کرنے کا طور طریق سیاست بھی سکھایا۔

حضرات صحابہ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین کی پوری زندگی ہمارے سامنے ہے کہ قرآن وسنت کے بدولت انھیں اللہ نے بڑا اونچا مقام عطا فرمایا۔

ہمارے سامنے تو جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا اسوہ ہے اور قرآن ناطق ہے کہ لَقَدْ كَانَ لَكُمْ فِيْ رَسُوْلِ اللّٰهِ اُسْوَةٌ حَسَنَةٌ (21:33) (بے شک تمہارے لیے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی میں اسوۂ حسنہ ہے) اس اسوے کو جس نے بھی اپنایا، وہ دنیا میں چمکا اور سربلند ہوا۔

ہمارے یہ ولی اللّٰہی حضرات اکابر، جن کا ابھی مبارک نام ہمارے محترم حضرت مولانا مفتی عبدالمتین صاحب دامت برکاتہم نے اپنے خطاب میں لیا اور وہ اعداد وشمار جو ابھی حضرت مولانا مختار حسن صاحب نے نماز سے پہلے ہمارے سامنے بیان فرمائے، وہ ہمیں اس بات پر آمادہ کرتے ہیں کہ یہ مسلمان جماعت دنیا کی بہترین جماعت ہے۔ اس سے اچھی جماعت دنیا میں کوئی نہیں ہے۔ اس لیے کہ یہ جماعت صرف اپنا درد دل میں نہیں رکھتی، بلکہ دنیا کے تمام معاملات کو سلجھانے کی فکر رکھتی ہے۔ اسی کا نام فکرِ ولی اللّٰہی ہے۔ اپنا کام سلجھالینا، اپنا کام کرلینا بڑی بات نہیں ہے۔ بات جب بنتی ہے، جب انسان لوگوں کے کام آئے اور لوگوں کی ضرورت پورا کرنے کی فکر رکھتا ہو۔

فَلَعَلَّكَ بَاخِعٌ نَّفْسَكَ عَلٰٓى اٰثَارِهِمْ اِنْ لَّمْ يُؤْمِنُوْا بِهٰذَا الْحَدِيْثِ اَسَفًا ۝ (6:18)

(اے نبی!) کہ شاید تو ان کے پیچھے افسوس سے اپنی جان ہلاک کردے گا، اگر یہ لوگ اس بات پر ایمان نہ لائے۔)

اس آیت میں بیان کردہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ پاک جذبہ ہم پر یہ بات واضح کرتا ہے کہ اللہ کے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک فکر عطا فرمائی تھی اور وہ فکر تھی اصلاحِ امت کی۔ اور اصلاح ایک ایسا جامع لفظ ہے، جس میں ساری چیزیں آجاتی ہیں۔ اس میں تزکیۂ نفس بھی ہے اور انسان کی مادی ضرورتیں بھی ہیں۔ طریقت کا راستہ بھی ہے اور دنیا کو سنبھالنے کا طریقہ بھی ہے۔ جسے آپ سیاست سے تعبیر کرسکتے ہیں۔

انسانیت کی صحیح رہنمائی اگر کوئی جماعت کرسکتی ہے تو یہ مسلمان جماعت اور اس مسلمان جماعت کے وہ سرکردہ حضرات کہ جنھوں نے اس فکر کو اپنی طبیعت میں لیا۔ یقیناً اسی جماعت کے فرد فرید ہمارے حضرت شیخ مولانا شاہ سعید احمد صاحب نوراللہ مرقدہٗ تھے، جو اپنی جدوجہد اور کوشش سے اتنی بڑی جماعت تیار کرکے یہاں چھوڑ کر گئے ہیں۔

میں آپ سب حضرات کو مبارک باد پیش کرتا ہوں کہ آپ ایسے رجال کار نے ایسے شخص کی قیادت میں اپنے آپ کو شامل کرنے کا، ان کے ماتحت کام کرنے کا ارادہ کیا ہے کہ جو اُمت کا درد اپنے دل میں رکھتی ہے۔ آپ اس حوالے سے بھی قابل مبارک باد ہیں اور خاص طور پر حضرت کے وہ خلفا کہ جنھوں نے یہ فیصلہ فرمایا کہ ہم جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی چھوڑی ہوئی جماعت کے سربراہ حضرت ابوبکرؓ کو اس لیے ان کا جانشین تسلیم کریں گے کہ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی زندگی میں امامت کے لیے حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہٗ کو مقرر فرمایا تھا۔

بقیہ صفحہ 10 پر

www.rahimia.org

نصیحت آموز حکایات — مولانا مفتی عبدالقدیر

حکایت حضرت عبداللہ ابن مبارک رحمۃ اللہ علیہ

حضرت عبداللہ ابن مبارکؒ ایک بلند پایہ بزرگ تھے۔ آپؒ ایک سال جب حج سے فارغ ہوئے تو کچھ دیر کے لیے حرم شریف میں سو گئے۔ آپؒ نے خواب میں دیکھا کہ دو فرشتے آسمان سے نازل ہوئے اور ایک دوسرے سے گفتگو کرنے لگے۔ ایک نے دوسرے سے پوچھا کہ: اِس سال کتنے لوگ حج کو آئے ہیں؟ دوسرے نے جواب دیا: چھ لاکھ۔ پھر اُس نے پوچھا: کتنے لوگوں کا حج قبول ہوا؟ اُس نے کہا: کسی کا بھی حج قبول نہیں ہوا۔ حضرت عبداللہ ابن مبارکؒ فرماتے ہیں کہ: جب میں نے یہ سنا تو میرے دل میں ایک بے چینی پیدا ہوئی اور میں نے سوچا کہ: اتنے سارے لوگ جو دور دراز سے اس قدر رنج و تکلیف اٹھا کر، صحراؤں اور بیابانوں کو طے کر کے آئے ہیں، اُن کی تمام تکالیف و مصائب رائیگاں گئیں۔

پھر اس فرشتے نے کہا کہ: دمشق میں ایک موچی ہے۔ اُس کا نام علی ابن الموافق ہے۔ وہ حج کو نہیں آ سکا، لیکن اُس کا حج قبول ہے اور حق تعالیٰ نے اِن سب کو اُس کے طفیل بخش دیا ہے۔ جب میں نے یہ سنا تو خواب سے بیدار ہو گیا اور سوچا کہ مجھے دمشق جا کر اُس شخص کی زیارت کرنی چاہیے۔ جب میں دمشق پہنچا تو اُس کا گھر تلاش کیا اور مکان کے دروازے پر آواز دی۔ اندر سے ایک شخص باہر آیا۔ میں نے اُس کا نام پوچھا۔ اُس نے علی ابن الموافق بتایا۔ میں نے اُس سے کہا: مجھے آپ سے کچھ باتیں پوچھنی ہیں۔ اُس نے کہا: ہاں ضرور پوچھیے۔ میں نے کہا: آپ کیا کام کرتے ہیں؟ اُس نے جواب دیا میں پارہ دوزی، یعنی جوتوں کی مرمت کرتا ہوں۔ پھر میں نے خواب کا تمام واقعہ اُس سے بیان کیا۔ اُس نے پوچھا آپ کا نام کیا ہے؟ میں نے کہا: عبداللہ ابن مبارک۔ اُس پر ایک کیفیت طاری ہوئی اور وہ بے ہوش ہو کر گر پڑا۔ جب ہوش میں آیا تو میں نے کہا: مجھے اپنے حالات سے آگاہ فرمایئے۔ اُس نے کہا: مجھے تیس سال سے حج کی آرزو تھی۔ میں نے اس لمبی مدت میں تین ہزار درہم جمع کیے اور اس سال حج کا ارادہ کیا۔ ایک دن میری بیوی نے جو بیمار تھی، مجھ سے کہا کہ: ہمسائے کے گھر سے کھانے کی خوشبو آ رہی ہے۔ جاؤ اور میرے لیے کچھ کھانا مانگ لاؤ۔ میں گیا تو ہمسائے نے مجھ سے یہ ذکر کیا کہ تین رات دن سے میرے بچے بھوکے تھے، انھوں نے کچھ نہ کھایا تھا۔ آج اتفاقاً میں نے ایک مردار گدھا دیکھا تو اُس سے ایک ٹکڑا گوشت کا کاٹ لیا اور اُن کے لیے کھانا تیار کیا۔ وہ تمہارے لیے تو حلال نہیں ہے۔ اس لیے دینے سے معذرت چاہتا ہوں۔ جب میں نے اُس کی یہ حالت سنی تو میری جان کو ایک آگ سی لگ گئی۔ میں تین ہزار درہم گھر سے اُٹھا لایا اور اُس کو دے دیے۔ اور کہا کہ: اس سے اپنے بال بچوں کا گزر بسر کرو۔ اس نے حضرت عبداللہ ابن مبارکؒ سے کہا: بس میرا حج تو یہی ہے۔ یہ اللہ تعالیٰ کی خاص عنایت ہے کہ اُس نے میرے خلوصِ نیت کو دیکھ کر بغیر ادائیگی مراسم حج اللہ تعالیٰ نے میری خلوصِ نیت کو شرف قبولیت کا درجہ عطا فرما دیا۔

اخلاقیات — پروفیسر ڈاکٹر قاری محمد سعید اختر

بُخل کی مذمت

بُخل ایک منفی خُلق ہے۔ یہ فرد اور معاشرے پر ناپسندیدہ اثرات مرتب کرتا ہے۔

بخل کا مطلب ہے کہ انسان دولت کی محبت میں ایسے مواقع پر بھی اسے خرچ کرنے سے ہاتھ روک لے، جہاں انفرادی یا اجتماعی ضرورت تقاضا کرتی ہے۔ قرآن حکیم نے بخل کی ان الفاظ میں مذمت کی ہے: ''اور جو بخل کرتے ہیں اس چیز میں، جو اللہ نے انھیں اپنے فضل سے دی، ہرگز اسے اپنے لیے اچھا نہ سمجھیں، بلکہ وہ ان کے لیے بُرا ہے۔ عنقریب وہ جس میں بخل کیا تھا، قیامت کے دن ان کے گلے کا طوق ہوگا۔'' (القرآن 3:180)

اللہ تعالیٰ نے وسائل دولت کو انسان کی بنیادی ضرورت رکھا ہے، اس لیے کفایت شعاری سے ان کا استعمال ایک پسندیدہ بات ہے۔ اجتماعی مقاصد کے لیے رضا کارانہ طور پر اپنی ضروریات کی نفی بھی انسان کی روحانی پاکیزگی کا باعث ہے۔ لیکن اس خیال سے کہ کہیں میری دولت کم نہ ہو جائے، اپنی یا اجتماع کی ضروریات پر خرچ کرنے سے گریز کرنا' بخل ہے۔ اور ذات باری تعالیٰ پر بھروسے کی کمی کی عکاسی کرتا ہے۔

بخیل شخص ذات باری تعالیٰ کو نہیں، بلکہ دولت کو سب سے بڑی طاقت سمجھتا ہے۔ اُسے خوف لاحق رہتا ہے کہ میری دولت میں کمی واقع نہ ہو جائے اور میں محتاج نہ ہو جاؤں۔ وہ دنیا میں اپنی بقا، ترقی اور معاشرے میں اپنے وقار کا معیار دولت ہی کو سمجھتا ہے۔ اس لیے وہ اس کی پوجا کرتا ہے اور اس سے محبت کرتا ہے۔

وہ اپنا تعلق ذات باری تعالیٰ سے نہیں جوڑتا، بلکہ دولت کمانے کے عمل میں سارا وقت اور توانائیاں خرچ کرتا ہے۔ اور پھر دولت خرچ کرنی پڑ جائے تو ذہنی تکلیف محسوس کرتا ہے۔ اسے اللہ تعالیٰ پر بھروسہ نہیں ہوتا۔ وہ سمجھتا ہے کہ دولت میں کمی آ گئی تو وہ اپنا معاشرتی مقام کھو دے گا یا یہ کہ یہ دولت خرچ ہو گئی تو آئندہ کہاں سے آئے گی، جب کہ ایمان کا تقاضا یہ یقین ہے کہ پہلے بھی ذات باری تعالیٰ نے ہی دیا تھا اور اب بھی وہی دے گا۔

بخیل شخص دولت سے ہی محبت کرتا ہے۔ انسانیت سے اسے کوئی سروکار نہیں ہوتا۔ وہ اپنی ذات کے حقوق ادا کرتا ہے اور نہ سوسائٹی کی ضروریات کا خیال کرتا ہے۔ وہ اپنی دولت میں محتاجوں کا حق تسلیم نہیں کرتا اور محض اپنے لیے اکتناز دولت کرتا ہے۔

اللہ تعالیٰ کی منشا انسانی سماج میں اجتماعیت کا قیام ہے۔ بخل اجتماعیت کی روح کی عملاً نفی ہے۔ اسی لیے رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے بخل سے بچنے کی تاکید کی ہے۔ فرمایا: ''بخل سے بچو، کیوں کہ تم سے پہلے لوگ بخل سے ہی ہلاک ہوئے اور بخل نے ہی انھیں اس بات پر آمادہ کیا کہ وہ لوگوں کو قتل کریں اور حرام کو حلال سمجھیں۔''

بخیل شخص معاشرے کا غیر صالح عنصر قرار پاتا ہے اور اس کے نتیجے میں سماج میں اپنا مقام اور وقار کھو دیتا ہے۔ الغرض! بخیل شخص خالق کی محبت سے بھی محروم رہتا ہے اور مخلوق کی محبت سے بھی۔ اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ ہمیں بخل سے محفوظ فرمائیں اور اپنی منشا کے مطابق خرچ کرنے کی توفیق عطا فرمائیں۔

www.rahimia.org

ہمارے معاشرے کو اصلاح کی نہیں انقلاب کی ضرورت ہے

حضرت اقدس مولانا شاہ سعید احمد رائے پوری رحمۃ اللہ علیہ

(ذیل میں حضرتؒ اقدس کا انٹرویو، جو معروف میگزین ماہ نامہ ''روابط'' راولپنڈی نے حضرتؒ اقدس کے وصال کے موقع پر اکتوبر 2012ء کو اپنے صفحات پر نمایاں طور پر شائع کیا۔ جسے ملک کے کونے کونے سے پذیرائی ملی۔ اب دوبارہ رحیمیہ اپنے قارئین کے لیے قندِ مکرر کے طور پر شائع کر رہا ہے۔)

سوال: تنظیم فکرِ ولی اللّٰہی کب قائم ہوئی اور اس کے قیام کا مقصد کیا ہے؟

حضرتؒ اقدس: موجودہ طرز پر جماعت کی باقاعدہ تشکیل اسّی کی دہائی میں شاہ عبدالعزیز رائے پوریؒ نے کی۔ انھوں نے دین اسلام کے شعبۂ سیاست کے حوالے سے علمائے اہل حق سے وابستہ افراد اور جماعتوں کی مکمل تربیت اور رہنمائی فرمائی۔ انھوں نے پاکستان کے معروضی تقاضوں کو سامنے رکھتے ہوئے مشائخ رائے پور اور حضرت شیخ الہندؒ کے سیاسی مزاج کو برقرار رکھا اور اس کے مطابق فکر و عمل کو آگے بڑھایا۔ اس وقت کا تقاضا تھا کہ ایک ایسی جماعت ہو، جو نوجوانوں میں سرمایہ دارانہ اور جاگیردارانہ نظام کے متعلق شعور بیدار کرے۔

سوال: پاکستان میں بہت سی دوسری جماعتیں بھی تبدیلی کی بات کرتی ہیں اور آپ کی جماعت بھی تبدیلی نظام کی بات کرتی ہے۔ ان جماعتوں میں اور آپ کی جماعتوں میں فرق کیا ہے؟

حضرتؒ اقدس: ہماری نظر میں کوئی بھی جماعت ایسی نہیں ہے، جو سسٹم کی مخالفت کرتی ہو، سب لوگ پارٹیوں کی مخالفت کرتے ہیں۔ ہر جماعت دوسری جماعت کے خلاف ہے، لیکن نظام ظلم کے خلاف کوئی نہیں ہے۔ اور اگر کوئی سسٹم کی تبدیلی کی بات کرے بھی تو وہ اصلاح کی بات کرتے ہیں، اسی سسٹم کو درست کرنے کی کوشش کرتے ہیں، اسے مکمل تبدیل کرنے کی کوئی بھی بات نہیں کرتا۔ چاہے وہ مذہبی جماعت ہو یا نام نہاد سیاسی جماعتیں۔

سوال: آپ کا سلسلۂ عالیہ تاریخ میں کن بزرگوں سے ملتا ہے؟

حضرتؒ اقدس: ہمارا تاریخی تسلسل امام شاہ ولی اللہ دہلویؒ سے ملتا ہے۔ ہم امام شاہ ولی اللہؒ کے نظریے اور فلسفے کو ہی لے کر چل رہے ہیں۔ دیوبندیت کے حوالے سے بھی ہم صرف اسی طبقے کو مانتے ہیں، جو امام ولی اللہؒ کے نظریے کو مانتا ہے اور اسی نظریے کو آگے پھیلاتا ہے، جس میں جمعیت علمائے ہند بھی شامل ہے۔ محض مدرسہ دیوبند سے تعلیم حاصل کرنے اور دیوبندی کہلانے والے کا اس سلسلے سے کوئی تعلق نہیں، جو امام شاہ ولی اللہ دہلویؒ کے مکمل فلسفے اور نظریے کو نہ مانتا ہو۔

سوال: جن علما نے انگریز کے خلاف آزادی کی جنگ لڑی، بجائے ان کی جدوجہد اور قربانیوں کو سراہنے کے، ان کو بدنام کیا جاتا ہے، اس کی کیا وجہ ہے؟

حضرتؒ اقدس: دیکھیں جی! یہ انگریز کا بنایا ہوا (Divide & Rule) کا نظام ہے، جس نے تحریکِ آزادی کے لوگوں کو مذہب اور فرقے کے نام پر بدنام کرنے کی پالیسی اختیار کی۔ ہم نے تو یہ دیکھنا ہے کہ آزادی کا سیاسی مؤقف کس نے رکھا اور آزادی کی جدوجہد کس نے کی؟ اور کون لوگ امام شاہ ولی اللہ کے فلسفے کو اختیار کر کے آگے چلے؟

سوال: موجودہ دور میں لوگوں کی اصلاح ممکن ہے؟

حضرتؒ اقدس: دیکھیں جی! آپ جب بیمار ہوتے ہیں تو آپ کو حلال غذاؤں سے اور بہت زیادہ طاقت بخشنے والی غذاؤں سے منع کر دیا جاتا ہے اور پرہیز کرایا جاتا ہے۔ اسی طرح ہم دیکھتے ہیں کہ لوگوں کو نماز کی دعوت دی جاتی ہے، لیکن معاشی بحران کی وجہ سے لوگ بہت سی بڑی بُرائیوں سے بھی بچ نہیں سکتے اور وہ اصلاح قائم نہیں رہ سکتی۔ اس لیے موجودہ دور میں مکمل اصلاح اس وقت تک ممکن نہیں، جب تک انقلاب کے ذریعے اس ظلم کے نظام کو بدل کر یہاں عدل قائم نہیں ہوگا۔ اصلاح تو کی ہی انقلاب کے بعد جاتی ہے۔

سوال: تبدیلی کے لیے کتنا وقت اور افراد کی ضرورت ہے؟

حضرتؒ اقدس: تبدیلیٔ نظام کے لیے زیادہ وقت اس لیے درکار ہے کہ ہمارے نوجوان جس تعلیمی نظام میں تعلیم حاصل کر رہے ہیں، لارڈ میکالے کا بنایا ہوا ہے۔ اس لیے ہمیں پہلے نوجوانوں میں ظلم کے خلاف مکمل دلائل کے ساتھ شعور پیدا کرنے کی ضرورت ہے اور پھر اس ظلم کو ختم کرنے کی تربیت دینی چاہیے۔ دوسری بات کہ کتنے افراد درکار ہیں تو کم از کم اتنے افراد ہوں کہ جو اس نظام کو ختم کر کے مکمل طور پر اس سسٹم کو چلا سکیں۔ نوجوان باشعور ہونے کے ساتھ باصلاحیت بھی ہونے چاہئیں۔ صرف ہتھوڑی سے سسٹم تو نہیں توڑا جا سکتا، اس کے لیے بڑی جماعت کی ضرورت ہے۔

سوال: موجودہ دور میں خانقاہوں کا کیا کردار ہے اور ان کا اصل کردار کیا ہونا چاہیے؟

حضرتؒ اقدس: خانقاہوں کا کردار انسان دوستی کی تعلیم دینا ہونا چاہیے اور ظلم کے خلاف نوجوانوں کی تربیت کرنی چاہیے، جب کہ آج کل کی خانقاہیں عوام پر تنقید کرتی ہیں اور سسٹم کو بالکل بھی نہیں چھیڑتیں۔ جب کہ تاریخ میں ہم اولیاء اللہ کی سوانح کا مطالعہ کریں تو ہمیں پتا چلتا ہے کہ خواجہ معین الدین چشتی اجمیریؒ اور حضرت مجدد الفِ ثانیؒ وغیرہ جیسے نام ہمیں ملتے ہیں، جو سرمایہ دار کے دل سے دولت کی محبت نکال کر انھیں انسان دوست اور اللہ والا بناتے ہیں۔ شہنشاہوں کے دل سے بادشاہت کی محبت نکال کر اسے عوام سے محبت کرنا سکھاتے تھے۔ ان کے برعکس آج کی خانقاہیں ظالم حکومت کے خلاف کوئی بات کرنے کی بجائے عوام کی اصلاح میں لگی ہوئی ہیں، جو کہ اس ظلم کے نظام میں ناممکن ہے۔

سوال: موجودہ دور میں ولی کی کیا پہچان ہے؟

حضرتؒ اقدس: ولی تو وہی ہوگا کہ سرمایہ دار جس کے خلاف ہو، جاگیردار جس کے خلاف ہو۔ جو مولوی یا پیر، سرمایہ دار کے در پر پڑا ہوگا، وہ ولی نہیں ہو سکتا۔ وہ عوام کا دشمن ہوتا ہے۔ سرمایہ دار کا کام یہ ہوتا ہے کہ وہ مولوی کو مدرسہ بنا دیتا ہے اور بڑے بڑے آستانے بنا دیتا ہے اور ان مولوی حضرات کو اپنے مقاصد کے لیے استعمال کرتا ہے، جیسے پہلے پادری کو استعمال کیا جاتا تھا۔ اس لیے ولی وہی ہوتا ہے، جو ظلم کی نشان دہی کرے

www.rahimia.org

اور ظلم کو مٹانے کے لیے جدوجہد کرے اور انسانی دوستی کا درس دے۔

سوال: اسلامی تاریخ گواہ ہے کہ خلافت کے ادوار میں اسلامی نظام ہمیشہ سربلند رہا ہے۔ تو کیا ہم کسی اسلامی ملک کو بطور مرکز مان کر تمام عالمِ اسلام کو خلافتِ اسلامیہ سے منسلک نہیں کر سکتے؟

حضرت اقدس: اس وقت ضروری ہے کہ دنیا کی آزادی پسند طاقتوں کو اکٹھا کر کے ایک اتحاد بنا کر سامراج کے خلاف جدوجہد کی جائے۔ بہت سی اسلامی حکومتیں، شہزادوں کی ریاستیں اور پاکستان کا یہ جتنا بھی علاقہ ہے، پہلے آزادی تو حاصل کر لے، لیکن ہم اس خوش فہمی میں ہیں کہ ہم آزاد ہیں۔ یہ علاقے آزادی حاصل کریں اور پھر باقی آزادی پسند ریاستوں کو ساتھ ملا کر سامراج کے خلاف کوئی راستہ اختیار کریں۔ اس وقت تو تمام ممالک سامراج کی غلامی کا شکار ہیں۔ سامراج کے خلاف یہ شعور صرف چین میں ہی نہیں، بلکہ تمام ایشیائی ممالک کے عوام میں آچکا ہے کہ اقتصادی خوش حالی اور ترقی کے لیے جنگوں سے بچا جائے، کیوں کہ یہ ایک سامراجی سازش ہے۔ یہ علاقے جتنی اقتصادی ترقی اور خوش حالی حاصل کریں گے، سامراجی گرفت اتنی ہی جلد یہاں سے ختم ہوگی۔ روس اور چین کے اس اقدام سے برصغیر کے باقی علاقوں پر یہ اثرات رونما ہوئے ہیں کہ جنگوں کو مسلط رکھنے والا سامراج کا طریقہ اب ختم ہو گیا ہے، جس سے اقتصادی اور افرادی نقصان بھی بہت ہوتا تھا اور غلامی بھی مضبوط ہو جاتی تھی۔

سوال: ہمارے ہاں اسلامی بینکاری کی بات کی جا رہی ہے۔ کیا سرمایہ دارانہ نظام میں اسلامی بینکاری ممکن ہے؟

حضرت اقدس: ہرگز نہیں! یہ اسلام کے نام کو استعمال کر کے اپنی آمدنی بڑھا رہے ہیں۔ سب سے زیادہ وہی بینک لوٹ رہے ہیں، جنھوں نے اسلامی بینکاری کا نعرہ لگایا ہوا ہے۔ یہ عوام کو لوٹنے کا ایسا طریقہ ہے، جس کی بدولت وہ آسانی سے ان کا شکار کر لیتے ہیں۔

سوال: ملٹی نیشنل کمپنیوں کے متعلق آپ کیا کہنا چاہیں گے کہ وہ ہمارے ملک کی ترقی کا باعث ہیں یا نقصان کا؟

حضرت اقدس: جو کردار ملٹی نیشنل کمپنیاں آج کے دور میں ادا کر رہی ہیں، وہ تو ہرگز قابل قبول نہیں۔ ملٹی نیشنل کمپنیاں ہمارے ملک میں استحصال کا باعث بن رہی ہیں، نہ کہ ترقی کا۔ مثلاً ایک ملٹی نیشنل کمپنی یہاں دوائی کی ایک گولی دس روپے کی دیتی ہے اور وہی کمپنی یہی گولی ہندوستان اور ایران میں ایک روپے کی دیتی ہے۔ اس کی وجہ صرف یہ ہے کہ وہ ممالک اپنی پالیسیوں پر ملٹی نیشنل کمپنیوں سے معاہدے کرتی ہیں اور ہم ملٹی نیشنل کمپنی کی پالیسیوں سے اُن کی شرائط پر معاہدہ کرتے ہیں۔

سوال: ہمارے ملک کے نوجوانوں کو اس دور میں کیا کردار ادا کرنا چاہیے؟

حضرت اقدس: آج کے نوجوان کو مایوسی و انفرادیت سے نکلنا چاہیے۔ آج کے کالجوں اور یونیورسٹیوں کی تعلیم کا نتیجہ یہ ہے کہ ہمارا نوجوان صرف ملازمت کے بارے میں ہی سوچتا ہے۔ اس میں اتنا شعور ہی نہیں ہے کہ وہ نظام کے پیدا کردہ مسائل کی طرف توجہ دے۔ اس لیے نظام کے خلاف مزاحمت اور شعور پیدا کرنا چاہیے۔ مختلف ممالک میں آزادی کی جو تحریکیں نوجوان اٹھا رہے ہیں، ان سے استفادہ کر کے نظام کی آلہ کار جماعتوں سے بچنا چاہیے۔ ملک میں لارڈ میکالے کا تعلیمی نظام رائج ہے، جو نوجوانوں کو صرف ملازمت کی طرف ہی مائل کرتا ہے۔ جس ملک کا نظام ایسا ہو، جس میں کالجز اور یونیورسٹیوں کی تعلیم کے ذریعے نوجوانوں کے سیاسی شعور اور عقل و فہم کو سلب کیا جا رہا ہو تو یہ ایک انتہائی خطرناک صورت حال ہے۔ نوجوانوں میں اس وقت شعور کو اُجاگر کرنے کی ضرورت ہے کہ ان پر تعلیمی اداروں کے ذریعے ظلم اور سوچ و سمجھ کو تباہ کیا جا رہا ہے۔ مختلف تنظیموں نے نوجوانوں کو تقسیم در تقسیم کر دیا ہے۔ ان میں سیاسی شعور پیدا ہی نہیں ہونے دیا جاتا۔ جب نوجوان مایوسی کا شکار ہو جاتا ہے تو پھر وہ ان تنظیموں کے پاس کس لیے آئے؟ وہ تو صرف اپنے مسائل میں ہی اُلجھا رہے گا۔

بقیہ: ولی اللّٰہی تحریک ہمارے محترم مخدوم حضرت مولانا مفتی عبدالخالق صاحب دامت برکاتہم کے بارے میں حضرت کے رائے پور کے آخری قیام میں ہم نے دیکھا کہ حضرت نور اللہ مرقدہٗ نے حضرت مفتی صاحب کو اپنا امام بنایا۔ ہم نہیں سمجھ پائے کہ اس وقت اُن کی امامت کس فکر کا نتیجہ ہے، لیکن بعد کے حالات نے ہمیں سمجھایا کہ یقیناً اس بڑی جماعت کی قیادت جس شخص کو سونپی جانی ہے، وہ یہی مولانا مفتی عبدالخالق صاحب ہوں گے کہ جو ہر میدان میں اپنی فکر سے، اپنی سمجھ سے، اپنی سوچ سے اس کی پوری پوری سیادت اور قیادت فرمائیں گے۔ اس لیے ہم انھیں بھی مبارک باد پیش کرتے ہیں اور حضرت کے لیے دعا کرتے ہیں کہ خداوندِ عالم انھیں کروٹ کروٹ چین نصیب فرمائے۔ ان کے درجات کو بلند فرمائے اور ان کی چھوڑی ہوئی جماعت اللہ کرے خوب پھلے اور پھولے۔

بقیہ: بچوں کا کالم اس لیے شروع سے اپنے اوقات کو نگاہ میں رکھو۔ پڑھنے کے وقت پڑھو، کھیلنے کے وقت کھیلو۔ تاکہ سال کے آخر میں تمھیں زیادہ مغز ماری نہ کرنا پڑے، لیکن کھیل کود اور آوارگی میں فرق سمجھو۔ آوارہ لڑکوں کے ساتھ بلامطلب بازاروں میں گھومنا ورزش ہے نہ کھیل کود۔ اور ورزش تو جسم کے اعضا کی باقاعدہ اور منظم حرکت ہے، جو روزانہ کی جائے۔ یہ بھی محنت اور مشقت ہے۔ صحت بغیر تکلیف اور صبر کے حاصل نہیں ہو سکتی۔ جسم کو مضبوط اور خوب صورت بنانے کے لیے سب سے زیادہ احتیاط اور ہمت کی ضرورت ہے۔ جسم آہستہ آہستہ بنتا ہے۔ ذرا بدعملی سے انسان کا پنجر نکل آتا ہے۔ جو قیمتی چیز مشکل سے حاصل ہو اور جس کے جلد ضائع ہونے کا احتمال ہو، اس کی ہر وقت احتیاط رکھنے کی ضرورت ہے۔ صحت بڑی محنت سے بہتر ہوتی ہے۔ بچو! تمہارے سپرد تین کام ہیں: ایک صحت، دوسرے تعلیم، تیسرے نیکی، یعنی خلق خدا کی خدمت کے لیے تیاری۔ میں ان تینوں باتوں پر علاحدہ علاحدہ لکھوں گا۔ بشرطیکہ صحت نے یوں ہی اجازت دی۔ سب بچوں کو یہ مضمون مشترکہ ہے۔

www.rahimia.org

بچوں کا کالم ۔ چوہدری افضل حق

صحت ضائع کر کے علم اور لیاقت حاصل نہیں کیے جاسکتے

(چوہدری افضل حق آزادی کے عظیم رہنما تھے۔ اپنی قوم کی تعلیم و تربیت اور اَخلاقی معیار کی بلندی ہمیشہ ان کے پیشِ نظر رہی۔ ذیل میں ان کے اُن خطوط کی تلخیص شائع کی جارہی ہے، جو اُنھوں نے 1939ء میں راولپنڈی جیل سے اپنے بچوں کے نام لکھے۔ دراصل ان کے مخاطب قوم کے ہر دور کے نونہال ہیں۔ مدیر)

عزیز از جان السلام علیکم

دیکھو بچو! جو وقت کی قدر نہیں کرتے، وہ عمر بھر تکلیف اٹھاتے ہیں اور ہر کام میں پھسڈی رہتے ہیں۔ سب بھائی بہن اپنا اپنا پروگرام لکھو کہ دن رات میں کیا کیا کام کرتے ہو۔ بعض بچے پڑھتے ہیں تو کھیلتے نہیں، کھیلنا شروع کرتے ہیں تو کئی کئی دن کتاب اُٹھا کر دیکھنا حرام ہے۔ یہ طریقہ غلط ہے۔ کھیل اور مطالعے کے اوقات خود مقرر کرو اور ہمت سے اس پر کاربند رہو۔ یاد رکھو! محنت کے بغیر کچھ حاصل نہیں ہوتا۔ محنت کے معنی مطالعہ ہی نہ سمجھو، بلکہ اول توجہ اپنی صحت کی طرف مبذول کرنی چاہیے۔ جان ہے تو جہان ہے۔ صحت زندگی کی سب سے بڑی نعمت ہے۔ کمزور اور بیمار خدا کا سب سے بڑا نافرمان اور ناشکرگزار ہے۔ خدا تندرستی جیسی نعمت عطا کرے اور وہ اپنی غفلت سے ضائع کردے۔ صحت اور تندرستی کو تمام اچھے کاموں کی بنیاد سمجھو۔ جو بچہ بیمار ہوجاتا ہے، وہ ماں باپ بھائی بہن کو کتنا پریشان کرتا ہے۔ بچوں اور نوجوانوں کو چاہیے کہ وہ بڑے بوڑھوں کی خدمت کریں، لیکن بیمار بچے ماں باپ کو بڑی مصیبت اور حیرانی میں ڈال دیتے ہیں۔ ہم جیسے غریب گھروں میں تو لائق اور ہونہار بچوں کی یہ ہی نشانی سمجھنا چاہیے کہ وہ ہر وقت اپنی صحت کا خیال رکھیں اور کبھی بیمار نہ ہونے پائیں۔ ورنہ تنگ دستی کے ساتھ علاج معالجہ ناقابلِ برداشت بوجھ ہوتا ہے۔ جس سے گھر کی عزت اور رَہے سہے وقار میں بھی فرق آتا ہے۔ بیماری اور تنگ دستی اکٹھی ہوجائیں تو کسی نہ کسی کے سامنے ہاتھ پھیلانا ہی پڑے گا۔ میں کسی عزیز بچے کے علم اور لیاقت کو نہیں دیکھتا، بلکہ اول اس کی صحت کو دیکھتا ہوں۔ اگر صحت اچھی دیکھتا ہوں تو سمجھ لیتا ہوں کہ بچہ ہونہار ہے۔ ملک اور قوم کے لیے مفید ہوسکتا ہیے۔ اور چاہے گا تو ماں باپ کی خدمت کے ساتھ علم اور قابلیت بھی پیدا کرسکے گا۔ اگر کسی کو بیمار اور کمزور دیکھتا ہوں تو سمجھ لیتا ہوں یہ ناکارہ، زمین کا بوجھ اور والدین کے لیے پریشانی کا باعث ہے۔

ہمیشہ ہدایت کرتا ہوں کہ صحت درست کرو۔ باقی دنیا کے کام پر طبیعت تمھیں خود ہی آمادہ کرے گی۔ دل اور دماغ کی قابلیتیں ایک ناتواں جان میں پیدا نہیں ہوسکتیں۔ جب بُری صحت کے باعث جسم کمزور ہے، دل اور دماغ جو جسم کا ایک حصہ ہیں، قدرتی طور پر کمزور ہوں گے۔ اسی لیے اس اصول کو ہمیشہ ذہن نشین رکھو کہ صحت ضائع کر کے علم اور لیاقت حاصل نہیں کیے جاسکتے۔ جو بے وقوفی سے صحت کو مطالعہ کی نذر کردیتے ہیں، وہی جو سال کا بڑا حصہ آوارگی یا سستی میں گنوا دیتے ہیں، اور ماں باپ یا استاد کے ڈر سے امتحان میں کامیاب ہونے کے لیے سال کے آخری حصے میں برداشت سے زیادہ محنت شروع کرتے ہیں، وہ درست طریقہ اختیار نہیں کرتے۔ بقیہ صفحہ 10 پر

خواتین کا کالم ۔ مولانا قاضی محمد یوسف

اسلام میں عورت کا مقام

جب اسلام کا آفتاب طلوع ہوا تو اس نے اپنی نورانی کرنوں سے اس ''ظلمت کدہ'' دنیا کو ''صبحِ سعادت'' سے پُرنور کیا۔ ظلم و ستم کی چکیوں میں پسنے والی صنفِ نازک عورت کو اسلام نے اپنے دامنِ رحمت میں جگہ دی۔ اور ان کے سماجی وقار اور معاشرتی کردار کو بلند کیا۔ قرآنی تعلیم میں یہی حقیقت واشگاف کی گئی ہے کہ مرد اور عورت دونوں کی ایک ہی جان سے پیدائش ہے اور پھر انھی دونوں سے انسانیت کے تسلسل کو آگے بڑھایا گیا۔ اس حقیقت کو دنیا کے سامنے پیش کیا کہ عورت کوئی جداگانہ مخلوق نہیں ہے، بلکہ وہ بھی ایسے ہی انسان ہے، جیسے مرد انسان ہیں۔ کوئی مرد ایسا نہیں ہے، جس کی پیدائش میں عورت کی شرکت نہ ہو۔ پھر مرد کو کیا حق حاصل ہے کہ وہ عورت کو حقیر و ذلیل اور دوسرے درجے کی مخلوق سمجھے! اسلام نے اس تصور ہی کی جڑ کاٹ دی کہ مرد محض مرد ہونے کی بنا پر باعزت اور باعثِ شرف و عظمت ہے اور عورت محض عورت ہونے کی وجہ سے فروتر اور کم تر ہے۔ اسلام کے نزدیک عورت اور مرد دونوں اپنے نیک اعمال کی بنیاد پر فضیلت کے حق دار ہیں۔ چناں چہ قرآن حکیم میں ہے: ''جو نیک عمل کرے گا، مرد ہو یا عورت، اگر وہ مؤمن ہے تو ہم اسے دنیا میں اچھی زندگی بسر کرائیں گے اور وہ آخرت میں ایسوں کو ضرور ان کے اچھے کاموں کا بدلہ عطا کریں گے۔'' (النحل)

اسلام نے عورت کے سماجی اور معاشرتی مقام کو بلند کرنے کے لیے عورت کو تحصیلِ علم میں مرد کے برابر مواقع فراہم کیے۔ اُسے وراثت میں حصے دار بنایا اور اس کی گواہی کو معتبر ٹھہرایا۔ اور اُسے اظہارِ خیال اور کاروبار کرنے کی آزادی بخشی۔ اور بعض مواقع پر اُسے طلاق کا اختیار بھی دیا۔ نہ صرف دنیا، بلکہ اُسے آخرت میں بخشش کا ذریعہ قرار دیا گیا۔ سرکارِ دوعالمؐ نے فرمایا: ''اللہ نے تم پر ماؤں کی نافرمانی اور لڑکیوں کو زندہ دفن کرنا حرام ٹھہرایا ہے''۔ ''لڑکیوں سے نفرت مت کرو، وہ تو غم خوار اور بڑی قیمتی ہیں۔'' اور ارشاد فرمایا: ''جس نے تین لڑکیوں کی پرورش کی، اُن کی تعلیم و تربیت کی، اُن کی شادی کی اور اُن کے ساتھ بعد میں بھی حسن سلوک کیا تو اس کے لیے جنت ہے۔ اور ایک جگہ پر بیٹیوں کی پرورش کو قیامت میں اپنی قربت کا ذریعہ قرار دیا۔ اور ماں کے قدموں میں جنت رکھ دی گئی۔

اسلام نے عورت کے حقوق و فرائض کے حوالے سے جو قوانین وضع کیے ہیں اور اس ضمن میں جو ہدایات و احکامات اپنے ماننے والوں کو دیے ہیں، اگر اُن پر دیانت داری سے عمل کیا جائے تو ہمارے معاشرے میں عورتوں کے مسئلے پر جو افراط و تفریط موجود ہے، اس کا خاتمہ ہوسکتا ہے۔ اور خواتین اپنے معاشرتی اور سماجی مقام کے باعث معاشرے میں نئی نسل کی تعلیم و تربیت اور خاندانی نظام کی وحدت کو قائم رکھنے میں اپنا بہترین کردار ادا کرسکتی ہیں۔

www.rahimia.org

Monthly RAHIMIA Lahore CPL No. 59

اھم خوش خبری

تقریبِ تکمیل بخاری شریف

ادارہ رحیمیہ علوم قرآنیہ (ٹرسٹ) لاہور میں ہر سال دورۂ حدیث شریف کی کلاس ہوتی ہے۔ اس کلاس میں صحیح بخاری شریف کا درس ہمیشہ ہوتا ہے۔ امسال حضرت مولانا مفتی عبدالغنی قاسمی مجاز حضرت اقدس رائے پوری رابع نے اس کتاب کا درس دیا ہے۔ سال کے اختتام پر ادارہ رحیمیہ لاہور میں "صحیح بخاری شریف" کی تقریبِ تکمیل مؤرخہ 25/مئی 2014ء بمطابق 25/رجب المرجب 1435ھ بروز اتوار کو منعقد ہوگی۔ جس میں حضرت اقدس مولانا مفتی عبدالخالق آزاد رائے پوری دامت برکاتہم العالیہ آخری حدیث پر درس ارشاد فرمائیں گے۔ تمام احباب اس بابرکت تقریب میں شرکت فرمائیں۔

لاہور میں 30 روزہ "دورۂ تفسیر قرآن حکیم"

اس سال بھی ادارہ رحیمیہ علوم قرآنیہ لاہور میں دورۂ تفسیر قرآن حکیم منعقد کیا جا رہا ہے۔

آغاز: 20/جون 2014ء بمطابق 21/شعبان 1435ھ بروز جمعۃ المبارک

اختتام: 20/جولائی 2014ء بمطابق 21/رمضان المبارک 1435ھ بروز اتوار

خصوصیاتِ دورۂ تفسیر قرآنِ حکیم:

1۔ حضرت الامام شاہ ولی اللہ دہلویؒ کے بیان کردہ اصول تفسیر

2۔ حضرت شیخ الہند مولانا محمود حسنؒ کے اُسلوب تفسیر

3۔ امام انقلاب حضرت مولانا عبیداللہ سندھیؒ کے تفسیری نکات

کی روشنی میں قرآنی علوم و معارف کا بیان ہوگا۔ دورۂ تفسیر کی خصوصیات درجِ ذیل ہیں:

☆ قرآنِ حکیم کی سورتوں کے مضامین کا جامع خلاصہ اور اس کے اہم نکات کا بیان

☆ شریعت کے حوالے سے اہم قرآنی موضوعات پر لیکچرز کا اہتمام

☆ اَخلاقی تربیت اور تزکیۂ نفس کے لیے دینی اور روحانی ماحول

☆ قرآن حکیم کے بیان کردہ سیاسی، سماجی، معاشی اصولوں کی نشان دہی

☆ دورِ حاضر کے اہم عمرانی مسائل کے حوالے سے قرآنی افکار سے متعلق آگہی

اس دورۂ تفسیر میں شرکا کی رہنمائی کے لیے ملک بھر کے چنیدہ مفتیانِ کرام، دانشورانِ عظام، پروفیسرز اور ڈاکٹرز حضرات قرآنی موضوعات پر لیکچرز دیں گے۔ گرمیوں کی تعطیلات اور رمضان المبارک کی مبارک ساعات میں طلبا اور تعلیم یافتہ نوجوان اس دورۂ تفسیر سے بھرپور استفادہ کریں۔ اس دورۂ تفسیر میں شرائط کے مطابق داخلہ لے کر قرآنی فکر و شعور سے آگہی حاصل کریں۔ دینی تقاضوں کی تکمیل کے لیے روحانی، اَخلاقی اور اجتماعی تربیت کے حوالے سے دینی ماحول کے اس اہم موقع سے بھرپور فائدہ اٹھائیں۔

دینی مسائل

اس صفحے پر قارئین کے سوالات کے جوابات دیے جاتے ہیں!

از جناب مفتی عبدالغنی قاسمی شعبہ دارالافتا ادارہ رحیمیہ علوم قرآنیہ (ٹرسٹ) لاہور

براہِ راست سوالات پوچھنے کے لیے رابطہ کریں: 0321-4431184

سوال (1): کیا فرماتے ہیں علمائے کرام اس مسئلے کے بارے میں کہ ایک عورت مسمات بشریٰ قمر کی شادی ہمراہ محمد افضل مؤرخہ 4/12/1998 کو سرانجام پائی۔ مسمات بشریٰ قمر کا محمد افضل سے مؤرخہ 25/11/13 سے چند دن قبل جھگڑا ہوا۔ اور وہ ناراض ہو کر اپنے والدین کے ہاں آ گئی۔ بعد ازاں اس کے خاوند محمد افضل نے اسے نوٹس اول (طلاق نامہ) مؤرخہ 25/11/2013 کو بھیجا، جس میں اس نے لکھا تھا کہ "من مقر اپنا شرعی حق رکھتے ہوئے مذکورہ کو اپنے حق زوجیت سے الگ کرتا ہے اور طلاق نوٹس اوّل دیتا ہے اور باقی طلاقیں بھی موصول ہو جائیں گی۔" محمد افضل نے نوٹس اوّل مؤرخہ 25/11/2013 کو بھیجنے کے بعد کوئی نوٹس نہیں بھیجا اور آج مؤرخہ 7/3/2014 تک مسمات بشریٰ قمر کی تین ماہواریاں گزر چکی ہیں۔ اب محمد افضل اور بشریٰ قمر باہمی رجوع کرنا چاہتے ہیں۔ براہِ کرم آگاہ فرمائیں کہ کیا اب وہ دونوں باہمی رجوع کر سکتے ہیں؟ اگر کر سکتے ہیں تو اس کا طریقہ کیا ہوگا؟ اور وہ مزید کتنے عرصے تک رجوع کا حق رکھتے ہیں؟ اور شرعی طور پر آئندہ اس نوٹس کا کیا اثر ان کی زندگی میں رہے گا؟

سائلہ: بشریٰ قمر فیصل آباد

جواب: مسمی محمد افضل نے اپنی بیوی مسمات بشریٰ قمر کو ایک طلاق بصورت نوٹس اوّل دی ہے۔ باقی دو طلاق دینے کا وعدہ ہے، جس پر اس نے عمل نہیں کیا۔ اب اگرچہ عدت گزر چکی ہے، لیکن مسمی محمد افضل اور بشریٰ قمر نکاحِ جدید کے بعد دوبارہ اپنی ازدواجی زندگی شروع کر سکتے ہیں۔ اور اس کے بعد مسمی محمد افضل کے پاس دو طلاقوں کا اختیار رہ جائے گا۔ کیوں کہ وہ ایک طلاق کا حق استعمال کر چکا ہے۔ واللہ اعلم

سول (2): ایک شخص صاحبِ نصاب ہے اور اس پر زکوٰۃ واجب ہے، لیکن اس کی بہن غریب ہے اور وہ زکوٰۃ کی مستحق ہے۔ اگر وہ شخص اپنی زکوٰۃ کی رقم اپنی بہن کو دے دے تو کیا زکوٰۃ ادا ہو جائے گی یا نہیں؟

سائل: محمد اشرف، لاہور

جواب: بہن اگر زکوٰۃ کی مستحق ہو تو اس کو زکوٰۃ دینا نہ صرف درست ہے، بلکہ افضل ہے۔ لہٰذا اس شخص کا اپنی زکوٰۃ کی رقم مستحق بہن کو دینا شرعی طور پر درست ہے۔

مجلس مشاورت

حضرت مولانا مفتی عبدالقدیر (چشتیاں)
حضرت مولانا مفتی عبدالغنی قاسمی (لاہور)
حضرت مولانا مفتی محمد مختار حسن (نوشہرہ)
حضرت مولانا صاحبزادہ عبدالقادر دین پوری (بہاولنگر)
حضرت مولانا صاحبزادہ رشید احمد (ڈیرہ اسماعیل خان)
حضرت سید مطلوب علی زیدی (لاہور)
حضرت مولانا مفتی محمد اشرف عاطف (سعودی عرب)
حضرت مولانا محمد اشرف اثر (حیدرآباد)
حضرت ڈاکٹر لیاقت علی شاہ معصوی (سکھر)
حضرت حاجی محمد بلال بلوچ (قاضی احمد)
محترم ڈاکٹر عبدالرحمٰن راؤ (سرگودھا)
محترم انجینئر آفتاب احمد عباسی (کراچی)
حضرت مولانا عبداللہ عابد سندھی (شکارپور)
حضرت مولانا پروفیسر ڈاکٹر تاج افسر (اسلام آباد)
حضرت مولانا محمد ناصر عبدالعزیز (جھنگ)
حضرت مولانا قاضی محمد یوسف (حسن ابدال)
حضرت مولانا مفتی محمد انور شاہ (کوئٹہ)
محترم سید خالد ریاض بخاری (سعودی عرب)
محترم قاری محمد ایاز جدون (مانسہرہ)

پرچہ ہر ماہ کی 3 اور 4 تاریخ کو ارسال کر دیا جاتا ہے۔
ممبرشپ کی رقومات کی ترسیل بنام
"رحیمیہ لاہور" میزان بینک قرطبہ چوک برانچ لاہور
اکاؤنٹ نمبر: 0219-0100328009 پر کریں!

مدیر اعلیٰ مفتی عبدالخالق آزاد طابع و ناشر نے
اے۔ جے پرنٹرز 28/A نسبت روڈ، لاہور سے چھپوا کر
دفتر ماہنامہ "رحیمیہ" رحیمیہ ہاؤس
33/A کوئینز روڈ، لاہور سے جاری کیا۔